Muslims who believe in the Messiah,
Mirza Ghulam Ahmad Qadiani[as]

لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

القران الحکیم ۱۲:۶۵

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلّہ

وفا ۱۳۹۲ ہش
جولائی ۲۰۱۳ء

جماعت احمدیہ امریکہ کی مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۰۱۳ء کے شاملین کی چند تصاویر

"Muhammad[saw] Messenger of Peace" Conferences

Top and Left:

Chicago West Jama'at: at Baitul-Jami', Glen Ellyn, IL

Bottom and Right:

Miami Jama'at: at St. Matthew Catholic Church, Hallandale Beach, FL

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

النـــور

(2:258)

جولائی 2013

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، تعلیمی، تربیّتی اور ادبی مجلّہ

فہرس

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا O (الکھف: 29)

اور اس کی پیروی نہ کر جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی ہوس کے پیچھے لگ گیا ہے اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى لا عَنْ ذِكْرِنَا (النجم: 30)

پس تو اُس سے منہ موڑ لے جو ہمارے ذکر سے اعراض کرتا ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ط (الحشر: 20)

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بُھلا دیا تو اللہ نے انہیں خود اپنے آپ سے غافل کر دیا۔

{700 احکامِ خُداوندی صفحہ 71}

لکھنے کا پتہ: karimzirvi@yahoo.com

OR

Editor Ahmadiyya Gazette
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905

قرآن کریم

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَہِلَّۃِ ؕ قُلۡ ہِیَ مَوَاقِیۡتُ لِلنَّاسِ وَ الۡحَجِّ ؕ وَ لَیۡسَ الۡبِرُّ بِاَنۡ تَاۡتُوا الۡبُیُوۡتَ مِنۡ ظُہُوۡرِہَا وَ لٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَ اۡتُوا الۡبُیُوۡتَ مِنۡ اَبۡوَابِہَا ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ○

(سورۃالبقرۃ: 190)

تجھ سے چاندوں کے بارہ میں سوال کرتے ہیں۔ تُو کہہ دے کہ یہ لوگوں (کے عام کاموں) اور حج کیلئے وقت معلوم کرنے کا آلہ ہیں۔ اور اعلیٰ نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں میں اُن کے پچھواڑے سے داخل ہو بلکہ کامل نیک وہ شخص ہے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور (تم) گھروں میں انکے دروازوں سے داخل ہوا کرو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

تفسیر بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ :

تاریخ اور حساب کے ساتھ سورج اور چاند دونوں کا تعلق ہے۔ اور یہ علوم کبھی ظاہر نہیں ہو سکتے تھے اگر سورج اور چاند کا وجود نہ ہوتا۔ اگر سورج اور چاند نہ ہوتے تو دنوں اور سالوں کا اندازہ ہی نہ ہو سکتا۔ اس لئے کہ اندازہ اور فاصلہ معلوم کرنے کیلئے کسی مستقل چیز کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جیسے پٹواری حساب لگاتے ہیں تو کہتے ہیں فلاں زمین فلاں کنویں سے اتنے کرم کے فاصلے پر ہے یا فلاں درخت سے اتنے کرم کے فاصلے پر ہے۔ پس چونکہ کسی مستقل چیز کے بغیر فاصلہ کا معلوم کرنا ناممکن ہوتا ہے اس لئے اگر سورج اور چاند نہ ہوتے تو سالوں اور دنوں کا اندازہ بھی نہ ہو سکتا۔ اسلام نے اپنی عبادات میں سورج اور چاند دونوں سے وقت کے اندازے کئے ہیں۔ مثلاً دن بھر کی نمازوں کے اوقات اور روزہ کی ابتداء اور اُس کی افطاری وغیرہ کا تعلق شمسی نظام کے ساتھ ہے۔ لیکن جہاں عبادات کسی خاص مہینہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہاں قمری نظام سے کام لیا گیا ہے جیسے رمضان اور ایام حج کیلئے قمری مہینوں کو اختیار کیا گیا ہے تاکہ دونوں عبادتیں سال کے ہر حصہ میں چکر کھاتی رہیں۔ اور ایک مومن فخر کے ساتھ کہہ سکے کہ اُس نے سال کے ہر حصہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے۔ مثلاً رمضان کا انحصار چونکہ قمری مہینوں پر ہے۔ اس لئے 36 سال میں ایک دَور ختم ہوجاتا ہے اور رمضان کبھی جنوری میں آجاتا ہے کبھی فروری میں کبھی مارچ میں اور کبھی اپریل میں اس طرح سال کے 360 دنوں میں سے ہر دن ایسا ہوتا ہے جس میں انسان نے روزہ رکھا ہوتا ہے لیکن اگر شمسی مہینوں پر روزے مقرر ہوتے تو اگر ایک دفعہ جنوری میں روزے آتے تو پھر ہمیشہ جنوری میں ہی روزے رکھنے پڑتے اور اس طرح عبادت کو وسعت حاصل نہ ہوتی۔ پس عبادت کو زیادہ وسیع کرنے کیلئے اور اس غرض کے لئے کہ انسان اپنی زندگی کے ہر لحظہ کے متعلق کہہ سکے کہ وہ اُس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارا ہے۔ عبادت کا انحصار قمری مہینوں پر رکھا گیا ہے۔ لیکن سال کے اختتام یا اُس کے شروع ہونے کے لحاظ سے انسانی دماغ سورج سے زیادہ تسلی پاتا ہے۔ بہر حال قمری اور شمسی دونوں نظام حساب کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جہاں تک عوام الناس کا تعلق ہے وہ چاند کے مہینوں سے ہی زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں کیونکہ شمسی نظام سے تعلق رکھنے والے حسابات اُن کی علمی استعداد سے بالا ہو سکتے ہیں۔

(تفسیر کبیر جلددوم صفحہ 417-418)

۔۔۔۔ احادیثِ مبارکہ ۔۔۔۔

حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص صبح یا شام یہ دُعا پڑھے اور پھر اُس دن یا رات فوت ہو جائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا:

☆ اَللّٰھُمَّ أَنْتَ رَبِّیْ لَآاِلٰہَ اِلَّاأَنْتَ، خَلَقْتَنِیْ، وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَااسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَاصَنَعْتُ، اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ، وَاَبُوْءُ لَکَ بِذَنْبِیْ، فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَایَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔۔

(بخاری کتاب الدعوات)

اے اللہ! تو میرا ربّ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے اور مَیں تیرا بندہ ہوں، اور مَیں حسب توفیق تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں، مَیں اپنے عمل کے شرّ سے تیری پناہ میں آتا ہوں، مَیں تیری نعمتوں اور احسانوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ اور تیرے سامنے اپنے گناہوں کا بھی اقرار کرتا ہوں۔ پس تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں۔

☆ حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ کے واقعہ اسراء کے بیان میں ایک خوفناک شیطان کا ذکر کرتے ہیں جو ایک شعلہ آگ کے ساتھ رسول ﷺ کا تعاقب کر رہا تھا حضرت جبریل علیہ السلام نے حضورؐ کو ایک دعا سکھائی اور فرمایا کہ اس کے نتیجہ میں شیطانی شعلہ ختم ہو جائے گا اور یہ خود گر پڑے گا وہ دُعا یہ تھی۔

اَعُوْذُبِوَجْہِ اللّٰہِ الْکَرِیْمِ، وَبِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُھُنَّ بَرٌّ وَّلَافَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَایَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ، وَشَرِّ مَایَعْرُجُ فِیْھَا، وَشَرِّمَا ذَرَأَ فِی الْاَرْضِ وَشَرِّمَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمِنْ فِتَنِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَمِنْ طَوَارِقِ الَّیْلِ، اِلَّا طَارِقًا یَّطْرُقُ بِخَیْرٍ یَّا رَحْمٰنُ۔

(مؤطا امام مالک کتاب الجامع)

مَیں اللہ کے عزت والے چہرے کی پناہ میں آتا ہوں اور اللہ کے اُن کامل و مکمل کلمات کی پناہ میں بھی کہ کوئی نیک و بد جن سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ مَیں اپنے ربّ کی پناہ اُس شرّ سے بھی مانگتا ہوں جو آسمان سے نازل ہوتا ہے اور اُس سے بھی جو آسمان پر چڑھتا ہے اور اُس شرّ سے بھی جو اُس نے زمین میں پیدا کیا اور اُس شرّ سے بھی جو اُس سے نکلتا ہے اور اے رحمٰن خدا! دن رات کے فتنوں اور رات کے حادثات سے بھی پناہ مانگتا ہوں، سوائے رات کو پیش آنے والے حادثہ کے جو خیر و برکت کا موجب ہو۔ ✲

منظوم کلام امام الزمان

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں
ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں

اس سے ہمارا پاک دل و سینہ ہوگیا
وہ اپنے مُنہ کا آپ ہی آئینہ ہوگیا

اُس نے درختِ دل کو معارف کا پھل دیا
ہر سینہ شک سے دھو دیا ہر دل بدل دیا

اُس سے خُدا کا چہرہ نمودار ہوگیا
شیطاں کا مکر و وسوسہ بے کار ہوگیا

وہ رہ جو ذاتِ عزّ وجل کو دکھاتی ہے
وہ رہ جو دل کو پاک و مطہّر بناتی ہے

وہ رہ جو یارِ گم شُدہ کو کھینچ لاتی ہے
وہ رَہ جو جام پاک یقیں کا پلاتی ہے

وہ رَہ جو اس کے ہونے پہ مُحکم دلیل ہے
وہ رہ جو اُس کے پانے کی کامل سبیل ہے

اُس نے ہر ایک کو وُہی رستہ دِکھا دیا
جتنے شکوک و شُبہ تھے سب کو مِٹا دیا

افسردگی جو سینوں میں تھی دُور ہوگئی
ظلمت جو تھی دلوں میں وہ سب نُور ہوگئی

جو دَور تھا خزاں کا وہ بدلا بہار سے
چلنے لگی نسیم عِنایاتِ یار سے

جاڑے کی رُت ظہور سے اس کے پلٹ گئی
عشقِ خُدا کی آگ ہر اک دل میں اَٹ گئی

جتنے درخت زندہ تھے وہ سب ہوئے ہرے
پھل اس قدر پڑا کہ وہ میووں سے لَد گئے

موجوں سے اُسکی پردے وَساوس کے پَھٹ گئے
جو کُفر اور فِسق کے ٹِیلے تھے کٹ گئے

قرآں خُدا نُما ہے خُدا کا کلام ہے!
بے اس کے معرفت کا چمن ناتمام ہے

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

”یادرکھو کہ ایک مفتری اور کذّاب کا کام کبھی نہیں چلتا اور اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مدد اور نصرت کبھی نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اگر مفتری کا کام بھی اسی طرح سے دن بدن ترقی کرتا جاوے تو پھر اس طرح سے تو خدا کے وجود میں بھی شک پڑ جاوے اور خدا کی خدائی میں اندھیر پڑ جاوے۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی عادت اللہ اسی طرح سے ہے کہ ایک جہان ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتا ہے اور جس طرح سے کوئی مسافر چلتا ہے تو کُتّے اس کے اردگرد جمع ہو کر بھونکتے اور شور مچاتے ہیں اسی طرح سے جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر آتا ہے وہ چونکہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوتا اس لئے دوسرے لوگ کُتّوں کی طرح اس پر پڑتے ہیں اور مخالفت کا شور مچاتے اور دُکھ دینے کی کوششیں کرتے ہیں لیکن آخر خدا تعالیٰ ایک نظر میں ان سب کو ہلاک کر دیتا ہے۔

اب یہ بھی سن لو کہ وہ بڑا ہی خوش قسمت انسان ہے جو اسلام جیسے پاک مذہب میں داخل ہے لیکن صرف زبان سے اسلام اسلام کہنے سے کچھ نہیں بنتا جب تک کہ سچے دل سے انسان اس پر کاربند نہ ہو جاوے۔ اکثر لوگ اس قسم کے بھی ہوتے ہیں جن کی نسبت قرآن شریف میں لکھا ہے وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُ وْنَ۔ (البقرۃ:15) یعنی جب وہ مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور جب وہ دوسروں کے پاس جاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو قرآن شریف میں منافق کہا گیا ہے۔ اس لئے جب تک کوئی شخص پورے طور پر قرآن مجید پر عمل نہیں کرتا تب تک وہ پورا پورا اسلام میں بھی داخل نہیں ہوتا۔

قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جو اس وقت دنیا میں آئی تھی جبکہ بڑے بڑے فساد پھیلے ہوئے تھے اور بہت سی اعتقادی اور عملی غلطیاں رائج ہو گئی تھیں اور تقریباً سب کے سب لوگ بداعمالیوں اور بدعقیدگیوں میں گرفتار تھے۔ اسی کی طرف اللہ جلّشانہٗ قرآن مجید میں اشارہ فرماتا ہے ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: 42) یعنی تمام لوگ کیا اہلِ کتاب اور کیا دوسرے سب کے سب بدعقیدگیوں میں مبتلا تھے اور دنیا میں فسادِ عظیم برپا تھا۔ غرض ایسے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے تمام عقائد باطلہ کی تردید کے لئے قرآن مجید جیسی کامل کتاب ہماری ہدایت کے لئے بھیجی جس میں کُل مذاہب باطلہ کا ردّ موجود ہے۔

اور خاص کر سورۃ فاتحہ میں جو پنج وقت ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اشارہ کے طور پر کُل عقائد کا ذکر ہے جیسے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔ یعنی ساری خوبیاں اس خدا کے لئے سزاوار ہیں جو سارے جہانوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ اَلرَّحْمٰن وہ بغیر اعمال کے پیدا کرنے والا ہے اور بغیر کسی عمل کے عنایت کرنے والا ہے۔ اَلرَّحِیْم اعمال کا پھل دینے والا مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْن۔ جزا سزا کے دن کا مالک۔ ان چار صفتوں میں کل دنیا کے فرقوں کا بیان کیا گیا ہے۔

بعض لوگ اس بات سے منکر ہیں کہ خدا ہی تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جیو یعنی ارواح اور پرمانو یعنی ذرّات خود بخود ہیں اور جیسے پرمیشر آپ ہی آپ چلا آتا ہے ویسے ہی وہ بھی آپ ہی آپ چلے آتے ہیں اور ارواح اور اُن کی کُل طاقتیں، گُن اور خواص جن پر دفتروں کے دفتر لکھے گئے خود بخود ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ ان میں قوتِ اتصال اور قوت انفصال خود بخود پائی جاتی ہے وہ آپس میں میل ملاپ کرنے کے لئے ایک پرمیشر کے محتاج ہیں۔ غرض یہ وہ فرقہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے رَبُّ الْعَالَمِیْن کہہ کر اشارہ کیا ہے“۔

(ملفوظات حضرت اقدس مسیح موعودؑ جلد پنجم جدید ایڈیشن صفحہ 377-379)

”(روحانی خزائن جلد6 شہادۃ القرآن صفحہ 354-356)

خطبہ جمعہ

عبد بننے کا عمل چند دن یا ایک مہینے کا عمل نہیں ہے۔ عبد بننے کے لئے مسلسل کوشش کی ضرورت ہے

یہ یقیناً ہماری خوش قسمتی ہے کہ رمضان کے مہینے میں اپنے اندر ایک انقلاب پیدا کرنے کی ہمارے اندر ایک خواہش پیدا ہو اور پھر اس کے لئے ہم کوشش بھی کریں۔ لیکن ہماری کوشش اُس وقت بار آور ہو سکتی ہے، اُس وقت ہمیں فائدہ دے سکتی ہے جب اُس کے حصول کے لئے بھی ہم وہی طریق اختیار کریں جو خدا تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے۔ ہم اپنی مرضی سے اپنے بنائے ہوئے طریق سے رمضان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

اگر ہر سطح پر اور ہر تنظیم کے عہدیدار اپنی عبادتوں کے معیار کو ہی بہتر کر لیں اور مسجدوں کو آباد کرنا شروع کر دیں تو مسجدوں کی آبادی جو ہے موجودہ حاضری سے دو تین گنا بڑھ سکتی ہے۔ پس اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

قرآنِ کریم کا ایک یہ حکم بھی ہے کہ انصاف کو اس طرح قائم کرو کہ اپنے خلاف بھی گواہی دینی پڑے یا اپنے پیاروں والدین اور قریبیوں کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے تو دو۔ اگر جائزے لیں تو ہم میں عموماً وہ معیار نظر نہیں آتے۔

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ مورخہ 10/اگست 2012ء بمقام مسجد بیت الفتوح۔ مورڈن۔ لندن

أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ
أَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ○

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ. اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ (البقرة: 187)

اس آیت کا ترجمہ ہے اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو یقیناً میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس چاہیے کہ وہ بھی میری بات پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں۔

رمضان المبارک کا مہینہ آیا اور دو عشرے گزر بھی گئے اور احساس بھی نہیں ہوا کہ کس تیزی سے یہ بیس دن گزرے ہیں، یوں لگتا ہے دوڑتے ہوئے گزر گئے۔ اب آخری عشرہ شروع ہو رہا ہے بہت سے خطوط مجھے آتے ہیں جن میں رمضان کے حوالے سے فیض پانے کے لئے دعا کا ذکر ہوتا ہے۔ لوگ ملتے ہیں تو وہ ذکر کرتے ہیں۔ ایک مومن کو یقیناً یہ فکر ہونی چاہئے کہ ہم رمضان سے زیادہ سے زیادہ فیض پانے والے بن سکیں۔ ایک احمدی کو اگر یہ فکر نہ ہو تو مسیح موعود اور مہدی معہود کو ماننے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ ایک انقلاب ہی ہے جو ہمارے اندر پیدا کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تھے۔ ایک ایسا انقلاب جو بندے کو خدا سے ملانے والا ہو۔ جو ہماری سوچوں اور فکروں کو اس طرف لے جانے والا ہو کہ ہم نے خدا تعالیٰ سے ایک تعلق پیدا کرنا ہے۔ جو ہمیں اس طرف توجہ دلانے والا ہو کہ ہم نے اپنے ایمانوں کو مضبوط کرتے ہوئے اُس کے اعلیٰ معیار قائم کرنے ہیں۔ جو ہمیں اس طرف توجہ دلانے والا ہو کہ ہم نے اپنی روحانی حالتوں میں بہتری کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف بھی توجہ دینی ہے۔ جو ہماری توجہ ہر وقت اس طرف مبذول کروانے والا ہو کہ ہم نے اپنی حالتوں میں پاک تبدیلی پیدا کرنے کے

لئے ہروقت اپنے جائزے لینے ہیں۔ جو اس طرف توجہ دلائے کہ ان باتوں کے حصول کے لئے جو بیان کی گئی ہیں، ہم نے کیا طریق اور ذرائع اختیار کرنے ہیں۔ جب یہ باتیں ہوں گی تبھی ہم حقیقت میں اس زمانے کے امام کو ماننے کا حق ادا کرنے کی طرف توجہ دینے والے کہلا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ ہمیں وقتاً فوقتاً مختلف طریقوں سے اُن نیکیوں کے حصول کی طرف توجہ دلانے کے مواقع فراہم فرماتا رہتا ہے جو اُس نے بیان فرمائی ہیں یا چند ایک کا میں نے ذکر کیا ہے۔ اور رمضان المبارک ان مواقع میں سے ایک انتہائی اہم، عظیم اور بابرکت موقع ہے۔

پس یہ یقیناً ہماری خوش قسمتی ہے کہ رمضان کے مہینے میں اپنے اندر ایک انقلاب پیدا کرنے کی ایک خواہش ہمارے اندر پیدا ہو اور پھر اس کے لئے ہم کوشش بھی کریں۔ لیکن ہماری کوشش اُس وقت بارآور ہو سکتی ہے، اُس وقت ہمیں فائدہ دے سکتی ہے جب اُس کے حصول کے لئے ہم وہی طریق بھی اختیار کریں جو خدا تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے۔ ہم اپنی مرضی سے اپنے بنائے ہوئے طریق سے رمضان سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی ایک خطبہ میں کہا تھا کہ روزے رکھ کر یا صرف ظاہری نمازوں پر انحصار کر کے ہم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔ گو بیشک یہ ظاہری عمل بھی ضروری ہیں، یہ حرکات و سکنات بھی ضروری ہیں، سحری اور افطاری کھانا بھی ضروری ہے۔ بیشک ان کے بغیر خدا تعالیٰ تک پہنچا نہیں جا سکتا کیونکہ ان کے کرنے اور اس طرح کرنے کا حکم بھی خدا تعالیٰ نے ہی دیا ہے۔ بیشک یہ تمام چیزیں، ظاہری حرکات اور عمل فرائض میں داخل ہیں اور جو ان کو نہیں بجالاتا وہ خدا تعالیٰ کے حکم کی نفی کرتا ہے۔ یقیناً وہ لوگ غلط ہیں جو کہتے ہیں کہ ذکر اذکار کی محفلیں لگا کر یا چند وِرد کر کے خدا تعالیٰ مل جاتا ہے یا بندگی کا حق ادا ہو جاتا ہے یا عبادت کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ نہیں یہ سب کچھ کرنے کے لئے وہ عمل بہر حال کرنے ضروری ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت سے قائم فرمائے ہیں اور جن کی اُمّت کو تلقین فرمائی کہ اس طرح کرو۔ لیکن ان ظاہری اعمال اور حرکات کے ساتھ اپنے دلوں کی حالت میں پاک تبدیلیاں پیدا کرتے ہوئے ان کے اعلیٰ معیار قائم کرنے کی بھی ضرورت ہے اور اس کا بھی حکم ہے اور انتہائی ضروری حکم ہے۔ پس اس کے حصول کے لئے ہمیں کوشش کرنی چاہئے۔ اس کے حصول کے لئے ہمیں اپنے اندر ایک لگن پیدا کرنی چاہئے۔

یہ آیت جو مَیں نے تلاوت کی ہے، اس میں خدا تعالیٰ نے ہمیں اپنے پیار کے حصول کا طریق بتایا ہے۔ اس مقام کی طرف نشاندہی فرمائی ہے جس پر پہنچ کر ایک انسان حقیقی مومن بنتا ہے اور خدا تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے والا بنتا ہے۔ رمضان کے روزوں سے فیض پانے والا بنتا ہے۔ اس آیت پر غور کریں تو اس میں جہاں اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے لئے پیار جھلکتا ہے اور اُس حدیث کا مزید فہم حاصل ہوتا ہے جس میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص مجھ سے بالشت بھر قریب ہوتا ہے میں اُس سے گز بھر قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو مَیں اُس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ اور جب وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو مَیں اُس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول اللّٰہ تعالیٰ : و یحذرکم اللہ نفسہٗ۔ حدیث 7405)

تو خدا تعالیٰ اس طرح پیار کرتا ہے اپنے بندے سے، اپنے اُن بندوں سے جو حقیقت میں بندگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اُن لوگوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بندے کہلانے والے ہیں۔

پس جیسا کہ مَیں نے کہا جہاں اس آیت سے اور خاص طور پر عِبَادِیْ یعنی ''میرے بندے'' کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کے جس پیار کا اظہار ہو رہا ہے، وہاں اس بات کا بھی پتہ چل رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے سوال پر یہ جواب نہیں دے رہا کہ مَیں قریب ہوں۔ خدا تعالیٰ کی طرف چل کر جانا تو دور کی بات ہے جو ایک بالشت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنا نہیں چاہتا، وہ لوگ عِبَادِیْ کے زمرہ میں نہیں آتے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مخاطب کر کے یہ نہیں کہا یا بشر کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ اُس عبد کو مخاطب کیا ہے جو عبد بننے کا حق ادا کرنے کی طرف توجہ رکھتا ہے اور اس کے لئے کوشش کر رہا ہے۔ اور عبد بننے کا حق کس طرح ادا ہوتا ہے؟ اُس کے لئے ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی طرف توجہ کرنی ہو گی جس میں ہمیں اپنے مقصدِ پیدائش کو سامنے رکھنے کی اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے وہ ہیں جو اپنے مقصدِ پیدائش کو پہچاننے والے ہیں اور پھر صرف پہچاننے والے ہی نہیں بلکہ اُس کے حصول کے لئے دن رات کوشش کرنے والے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے وہ ہیں جو اس طرف توجہ کریں جس کے بارے میں ارشاد ہے کہ

وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات: 57)

اور مَیں نے جنّوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ پس اللہ تعالیٰ کا عباد بننے کا معیار اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادتوں کے معیار بلند کرتے چلے جانے کو رکھا ہے۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ اب سے مقصدِ پیدائش کو صرف رمضان میں یاد رکھنا اور عام دنوں میں بیشک اس طرف توجہ نہ ہو۔ فرمایا یہ مقصدِ پیدائش تو اللہ تعالیٰ کے حقیقی عبد کو ہر وقت سامنے رکھنا چاہئے یا اُس شخص کو سامنے رکھنا چاہئے جو حقیقی عبد بننا چاہتا ہے۔ روزوں کی برکات سے جب روحانیت میں مزید ترقی ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے قرب کی تلاش پہلے سے بڑھ کر کرنے کی کوشش ہو رہی ہے تو پھر میرے بارے میں پوچھنے والوں کو بتا دو کہ مَیں رمضان میں اور بھی قریب آ گیا ہوں جیسا کہ پہلے بھی مَیں نے حدیث کا ذکر کیا تھا کہ جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الصوم باب هل یقال رمضان او شهر رمضان......حدیث 1898)

اور اللہ فرماتا ہے کہ جو لوگ پہلے توجہ کرنے والے ہیں کہ میرا عبد بنیں اُن کو بتا دو کہ ان دنوں میں خاص طور پر میں بندوں کے قریب ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کے قریب ہے بلکہ ہمیشہ ہی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، عام دنوں میں بھی حق بندگی ادا کرنے کی کوشش کرنے والوں کیلئے اُن کے لئے جو رات کو تہجد کی نمازوں کے لئے جاگتے ہیں، اللہ تعالیٰ نچلے آسمان پر آ جاتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب التجهد باب الدعاء و الصلاة من اٰخر اللیل حدیث1145)

رمضان میں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شفقت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

پس خوش قسمت ہوں گے وہ جو اس سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں اور یہ عہد کریں کہ رمضان میں خدا تعالیٰ کا عبد بننے کی جو کوشش کی ہے یا کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قربت کے نظارے دیکھنے کے لئے اپنی کوشش کی ہے یا ان دنوں میں دیکھے ہیں، روزوں کی وجہ سے ان میں صبح کے نوافل کی طرف بھی توجہ پیدا ہوئی ہے، تہجد پڑھنے کی طرف توجہ پیدا ہوئی ہے، نمازوں میں جو باقاعدگی کی طرف توجہ پیدا ہوئی ہے، قرآنِ کریم پڑھنے اور سمجھنے کی طرف جو توجہ پیدا ہوئی ہے، درسوں میں بیٹھنے اور درس سننے کی طرف توجہ پیدا ہوئی ہے اُسے جاری رکھیں تو اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کے دلوں کا حال جانتا ہے، اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ میرے ان بندوں سے کہہ دو کہ اس عہد کے ساتھ مانگو کہ حق بندگی ادا کرنے کی اس کوشش کو جاری رکھو گے تو میں نہ صرف رمضان میں بلکہ ہمیشہ تمہارے قریب ہوں اور رہوں گا۔ اگر تم صرف عارضی طور پر اس مقصد کی طرف توجہ کر رہے ہو تو تمہاری زندگی بے فائدہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

’’خدا تعالیٰ نے انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی معرفت اور قرب حاصل کرے۔

مَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات: 57)‘‘

فرماتے ہیں کہ ’’جو اس اصل غرض کو مدنظر نہیں رکھتا اور رات دن دنیا کے حصول کی فکر میں ڈوبا ہوا ہے کہ فلاں زمین خرید لوں، فلاں مکان بنالوں، فلاں جائیداد پر قبضہ ہو جاوے۔ تو ایسے شخص سے سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ کچھ دن مہلت دے کر واپس بلا لے اور کیا سلوک کیا جاوے‘‘۔

فرماتے ہیں: ’’انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کے قرب کے حصول کا ایک درد ہونا چاہیے جس کی وجہ سے اس کے نزدیک وہ ایک قابل قدر شئے ہو جاوے گا۔ اگر یہ درد اس کے دل میں نہیں ہے اور صرف دنیا اور اس کے مافیہا کا ہی درد ہے تو آخر تھوڑی سی مہلت پا کر وہ ہلاک ہو جائے گا‘‘۔

(ملفوظات جلد 4 صفحه 222 ۔ ایڈیشن 2003ء ۔مطبوعه ربوه)

اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ دنیا کے کام نہیں کرنے چاہئیں۔ ایک جگہ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس کی زمین ہے، اُس پر وہ محنت نہیں کرتا، جس کا کاروبار ہے اس پر وہ محنت نہیں کرتا تو وہ بھی اُس کا حق ادا نہیں کر رہا۔ اس لئے جو دنیاوی کاروبار ہیں، دنیاوی کام ہیں وہ بھی ساتھ ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ بھی رہے اور اُس مقصدِ پیدائش کو کبھی نہ بھولے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے رکھا ہے۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد پنجم صفحه 550 ۔ ایڈیشن 2003ء مطبوعه ربوه)

فرمایا: اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے ایک درد ہونا چاہئے۔

پس جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اپنے مقصدِ پیدائش کو جاننے کے لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب حاصل کرنا ضروری ہے اور اس طرف کوشش کرنی چاہئے لیکن یہ قرب اُس وقت حاصل ہوتا ہے جب اُس کے حصول کا درد انسان میں پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! جو اس درد کے حصول کی کوشش رکھتے ہو، تمہاری خواہش تب خواہش سے نکل کر عمل کا روپ دھارے گی جب تمہارا ایمان ترقی کی منازل طے کرتا چلا جائے گا۔ اس میں ترقی ہوتی چلی جائے گی۔ جب تم میری ہر بات پر لبیک کہنے والے بنو گے یا کم از کم نیک نیتی سے اس کے لئے کوشش کرو گے۔

عبد بننے کے لئے عبادات کے ساتھ باقی احکامات پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ انسان کمزور ہے، بشری تقاضے کے تحت اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے لیکن اس اونچ نیچ کا احساس فوری طور پر پیدا بھی ہونا چاہئے۔ کسی ایک عمل میں کمزوری کا احساس ہوتے ہوئے اُس کے مداوے کی پھر کوشش بھی کرنی چاہئے۔ توبہ استغفار کی طرف توجہ کرتے ہوئے فوری اُن کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش بھی ہونی چاہئے۔ یہ نہیں کہ ٹھیک ہے اس رمضان میں نیکیوں کے کرنے کی طرف توجہ کر لو پھر سارا سال دنیا کے حصول کی ہی فکر رہے۔ انسان دنیاوی کاموں میں پڑا رہے اور اپنے مقصدِ پیدائش کو بھول جائے اور سمجھے کہ آئندہ رمضان آئے گا تو پھر عبد بننے کی کوشش کر لیں گے۔ پھر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف توجہ کر لیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے روزوں کے ساتھ اس حکم کو رکھا ہے کہ میری باتوں پر لبیک کہو اور اپنے ایمانوں کو مضبوط کرو تو ٹھیک ہے۔ یہ نہیں کہ جب اگلا رمضان آئے گا تو پھر ہم کوشش کر لیں گے۔ اگر اس بات پر توجہ رکھو گے کہ اگلے رمضان کے آنے تک ہم نے اس رمضان کی نیکیوں کو جاری رکھنا ہے تو تبھی فائدہ ہوگا۔ ورنہ اس کا کوئی فائدہ نہیں کہ اس رمضان میں نیکیاں کر لیں اور بس۔ پھر جب اگلا رمضان آئے گا تو پھر کر لیں گے۔ اگر یہ ہماری سوچ ہوگی تو ہم نے اپنے مقصد کو پانے کی کوشش نہیں کی، اُن نیک لوگوں کے زمرہ میں شامل نہیں ہوئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے عِبَادِیْ کہہ کر مخاطب کیا ہے۔

پس عبد بننے کا عمل چند دن یا ایک مہینے کا عمل نہیں ہے۔ عبد بننے کے لئے مسلسل کوشش کی ضرورت ہے اور رمضان میں کیونکہ ایک مومن بندے کی اس طرف زیادہ توجہ ہوتی ہے اس لئے خاص طور پر روزوں کے ساتھ اس طرف توجہ دلائی کہ جب اپنی اصلاح کی طرف توجہ پیدا ہوئی ہے تو اس میں ترقی ہوتی رہنی چاہئے۔ اور یہ ترقی کس طرح ہوگی، اللہ تعالیٰ کا حقیقی عبد انسان کس طرح بنے گا؟ اپنے مقصدِ پیدائش کو کس کس طرح حاصل کرنے کی کوشش کرے گا؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔ وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (البقرة:139)

کہ اللہ کا رنگ پکڑو اور رنگ میں اللہ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے اور ہم اُسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

پس مقصدِ پیدائش کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کا رنگ پکڑنے، اُس کی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے تبھی انسان حقیقی عبد بن سکتا ہے۔ دنیاوی رشتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ پیار کا یہ رشتہ تو ایک طرف رہا، خونی رشتے تو ایک طرف رہے، آقا اور غلام کے رشتوں میں بھی غلام اپنے آقا کی پسند اور ناپسند کو اپنے اوپر طاری کر لیتا ہے یا اس کی کوشش کرتا ہے۔ ان رشتوں میں تو بعض دفعہ دکھاوا اور جھوٹ بھی شامل ہو جاتا ہے اور فائدہ بھی یقینی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ مختلف قصے آتے ہیں ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک بادشاہ کا درباری تھا، بادشاہ کو کہیں سے بینگن تحفہ آئے اور اُس کی بڑی تعریف ہوئی تو اس نے روزانہ وہی کھانے شروع کر دیئے۔ درباری نے بے تحاشہ اُس کی تعریفیں کیں، اتنی زیادہ مبالغہ آمیز تعریفیں کہ حد کر دی۔ آخر بادشاہ نے ہر کھانے پر جب اُسے کھانا شروع کیا تو بیمار ہو گیا۔ اُس بادشاہ نے جب اس کی بدتعریفی کی تو اُسی درباری نے اُس کی بدتعریفیں شروع کر دیں۔ تو بادشاہ نے پوچھا پہلے تم تعریف کر رہے تھے اب تم بدتعریفیں کر رہے ہو۔ اس نے کہا جی حضور میں تو آپ کا غلام ہوں، ان بینگنوں کا غلام تو نہیں۔ تو یہ رنگ نہیں چڑھتا۔ اُس نے تو اپنے پر وہ رنگ چڑھانے کی کوشش کی تھی کہ جو مالک کہہ رہا ہے مَیں بھی وہ کہتا جاؤں لیکن اللہ تعالیٰ کا رنگ ایسا ہے جو انسان جب چڑھاتا ہے تو اپنی دنیا و عاقبت سنوار لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ جو زمین و آسمان کا مالک ہے، اُس کے رنگ میں رنگین ہونے والا تو اپنی دنیا و عاقبت سنوار

رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنا کر ایک بندہ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ یہی رنگ ہے جو مومن اپنے اوپر چڑھاتا ہے تو اپنی پیدائش کے حقیقی مقصد کو حاصل کر لیتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کا عبد بننے کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بننے کی بھی ایک مومن کو کوشش کرنی چاہئے۔ اُن چیزوں کو کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، وہ اعمال بجالانے کی کوشش کرنی چاہئے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ اُن باتوں سے رُکنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ تبھی صحیح رنگ میں انسان اللہ تعالیٰ کا عبد بن سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کرنے کی کوشش کرو، اُس کی صفات کا مظہر بننے کی کوشش کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت انسان کو عطا فرمائی ہے کہ وہ یہ صفات اپنا سکے۔ اور پھر اپنے دائرہ کے اندر اُن صفات کا اظہار بھی کر سکے۔ انسان اپنے دائرہ میں مالکیت کا رنگ بھی اختیار کر سکتا ہے، رحمانیت کا رنگ بھی اختیار کر سکتا ہے، رحیمیت کا رنگ بھی اختیار کر سکتا ہے، ربوبیت کا رنگ بھی اختیار کر سکتا ہے، ستار ہونے کا رنگ بھی اختیار کر سکتا ہے، وہاب ہونے کا رنگ بھی اختیار کر سکتا ہے بلکہ ایک عام انسان کی زندگی میں بسا اوقات ان باتوں کے اظہار ہو بھی رہے ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ ہیں جو ان صفات کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں لیکن اس نیت سے نہیں کہ خدا کے رنگ میں رنگین ہوں۔ لیکن ایک حقیقی مومن جو ہے، وہ مومن جو خدا تعالیٰ کی رضا اور اُس کے پیار کو چاہتا ہے، اُس کی نشانی یہ ہے کہ ان صفات کا اظہار اس لئے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے پیار کو جذب کرنے کے لئے ان صفات کا اظہار ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کے لئے ان صفات کا اظہار ضروری ہے۔ انسانیت کو برائیوں سے بچانے کے لئے ان صفات کا اظہار ضروری ہے۔ اپنے مقصدِ پیدائش کے حصول کے لئے ان صفات کا اظہار ضروری ہے۔ تو یہ رنگ اپنانا اور ان کا اظہار کرنا پھر ثواب بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیار کو جذب کرنے والا بن جاتا ہے۔

یہ حکم دینے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کا رنگ اختیار کرو، فرمایا کہ اے مومنو! اے میرے بندو! یہ اعلان بھی کرو کہ

وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (البقرة:139)

کہ ہم اُس کی عبادت کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اختیار کرنا اور اُس کا رنگ پکڑنا اس لئے ہے کہ ہم اُس کے عبد ہیں اور ہمیں اُس کی رضا چاہئے۔ ہمیں اُس کی بندگی سب سے زیادہ قیمتی ہے اور اُس کی عبادت کرنے والے ہیں۔ اُس کے حکموں کے مطابق اپنی زندگیاں گزارنے والے ہیں اور گزارنا چاہتے ہیں۔

پس ہم نے یہ زندگی صرف ایک ماہ اُس کے حکم کے مطابق نہیں گزارنی بلکہ ہماری زندگی کا ہر لحہ اُس کے حکموں کے مطابق گزرے گا۔ پس اس بات پر ہمیں غور کرنا چاہئے کہ اپنے اندر پاک تبدیلیاں لاتے ہوئے ہم نے اس رمضان سے گزرنا ہے انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کرتے ہوئے ہم نے اس رمضان میں سے گزرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنی زندگیوں پر لاگو کرتے ہوئے ہم نے اس رمضان میں سے گزرنا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ہم نے اس رمضان میں سے گزرنا ہے اور پھر اس سارے عمل کو اگلے رمضان سے ملانے کا عہد کرتے ہوئے اُس کی کوشش کرنی ہے۔ جب یہ سب کچھ ہوگا تو فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (البقرة: 187) کی خوشخبری بھی ہم سننے والے بن سکیں گے۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرة: 187) کہ مَیں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں کو بھی ہم مشاہدہ کر سکیں گے۔

پس اس مقام کے حصول کے لئے ہمیں کوشش بھی کرنی چاہئے اور دعا بھی کرنی چاہئے۔ ہماری دعاؤں کا محور صرف ہماری اپنی دنیاوی خواہشات نہ ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے اوپر لاگو کرتے ہوئے حقوق العباد کی ادائیگی کی طرف بھی توجہ ہو، اُن نیکیوں کے کرنے کی طرف بھی توجہ ہو جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ (البقرة: 187)

کہ وہ میری بات پر لبیک کہیں، ایک مومن کی توجہ اپنے احکامات کی طرف بھی مبذول کروائی ہے۔ اس بات کی تاکید فرمائی کہ ایک مومن کو اپنی ذمہ داری کو سمجھنا چاہئے تبھی وہ کامل مؤمن ہو سکتا ہے۔

اس وقت مَیں اس حوالے سے بھی کچھ کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی باتوں پر لبّیک کہنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے جو اخلاقی ذمہ داریاں اور بندوں کے حقوق کی

ادائیگی کی ذمہ داریاں ڈالی ہیں، وہ کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مثلاً کہ جو مومن ہیں

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران:111)

کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی بندے وہ ہیں جو نیکیوں کا حکم دینے والے ہیں اور برائیوں سے روکنے والے ہیں۔ اور ظاہر ہے اس پر حقیقی رنگ میں عمل کرنے والے وہی لوگ ہوں گے اور ہونے چاہئیں جو خود بھی نیکیوں پر عمل کرنے والے اور برائیوں سے بچنے والے ہوں۔ پس جب ایک حقیقی مومن بننے کی کوشش ہوگی تو اپنے محاسبہ کی طرف بھی توجہ پیدا ہوگی اور حقیقت یہی ہے کہ اپنے محاسبے کی طرف نظر ہی خدا تعالیٰ کی صفات کو اپنانے اور اُس کے اظہار کی طرف متوجہ بھی رکھتی ہے۔

پس ایک بہت بڑی ذمہ داری مومنوں پر ڈالی گئی ہے کہ تم نے یہ کام کرنے ہیں۔ رمضان میں جب دلوں میں عام دنوں کی نسبت زیادہ خشیت ہوتی ہے اور انسان بعض اوقات اپنے جائزے بھی لیتا ہے تو جب وہ اس طرف توجہ کرے کہ خدا تعالیٰ نے ایک مسلمان کا، ایک حقیقی مومن کا، اُس شخص کا جو اللہ تعالیٰ سے اُس کا عبد بننے کی دعا مانگتا ہے، کیا معیار مقرر کیا ہے تو پھر پاک تبدیلی پیدا کرنے کی طرف توجہ رہے گی۔ اُسے ہمیشہ خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی سامنے رکھنا چاہئے کہ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَاللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف:4) کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اس بات کا دعویٰ کرنا اور ایسی بات کہنا جو تم کرتے نہیں، بہت بڑا گناہ ہے۔

پس ان دنوں میں ہمیں اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے اور خاص طور پر ہر سطح کے ذیلی تنظیموں کے بھی اور مرکزی عہدیداروں کو بھی مَیں کہتا ہوں کہ اپنے جائزے لیں۔ واقفینِ زندگی کو بھی اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے اور عمومی طور پر ہر احمدی کو تو ہے ہی کہ جب ہم نصیحت کرتے ہیں تو خود ہماری اپنی زندگیوں پر بھی اُن کے اثرات ظاہر ہوں۔ اگر ایک عام مسلمان کا یہ فرض ہے، ایک عام مومن کا یہ فرض ہے اور وہ اس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ نیکیوں کو پھیلائے اور برائیوں کو روکے تو جو لوگ اس کام کے لئے مقرر ہیں اُن کا تو سب سے زیادہ فرض بنتا ہے اور یہ فرض پورا بھی اُس وقت ہوگا جب ہماری اپنی نیتیں بھی صاف اور پاک ہوں گی۔ جب خود ہر حکم پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش ہوگی۔ اگر عہدیداروں کے عبادتوں کے معیار بھی صرف رمضان میں بہتر ہوئے ہیں اور عام دنوں میں نہیں تو وہ بھی قول و فعل میں تضاد رکھتے ہیں اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ میں اکثر مختلف میٹنگوں میں عہدیداران کو یہ توجہ دلاتا ہوں کہ اگر ہر سطح پر اور ہر تنظیم کے عہدیدار اپنی عبادتوں کے معیار کو ہی بہتر کر لیں اور مسجدوں کو آباد کرنا شروع کر دیں تو مسجدوں کی جو آبادی ہے وہ موجودہ حاضری سے دو تین گنا بڑھ سکتی ہے۔ پس اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے باقی احکامات ہیں۔ اُن کی طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے تو اس سے بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔

پھر اسی طرح جیسا کہ مَیں نے کہا دوسرے احکام ہیں ان پر عمل ضروری ہے۔ قرآنِ کریم کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ انصاف کو اس طرح قائم کرو کہ اپنے خلاف بھی گواہی دینی پڑے یا اپنے پیاروں والدین اور قریبیوں کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے تو دو۔ اگر جائزے لیں تو ہم میں عموماً وہ معیار نظر نہیں آتے۔ پس ایک طرف تو ہم دعاؤں کی قبولیت کے نشان مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بندوں میں شامل ہونے کی خواہش رکھتے ہیں اور پھر گواہی کے وقت راستے تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کس طرح اپنے قریبیوں کو مجرم ہونے سے بچا لیں۔ بلکہ بعض دفعہ کوشش ہوتی ہے کہ ہم اور ہمارے قریبی بچ جائیں اور دوسرے کو کسی طرح ملزم بنا دیا جائے۔ بعض دفعہ عہدیداروں کے متعلق یہ شکایات بھی آ جاتی ہیں، مجھے لکھنے والے لکھتے ہیں کہ آپ نے توجہ دلائی ہے کہ جماعت میں فلاں فلاں عہدیدار کے متعلق یہ شکایت ہے یا بعض دفعہ جلسوں وغیرہ میں بعض کمزوریوں کی طرف نشاندہی کی جاتی ہے تو بجائے اس کے کہ وہ عہدیدار یا متعلقہ شعبہ جو ہے یا مجموعی طور پر جس کو بھی کہا جائے اپنی اصلاح کرے، اس بات کی تحقیق شروع کر دیتے ہیں کہ یہ شکایت کس نے کی ہے؟ حالانکہ اُن کا یہ کوئی مقصد نہیں ہے۔ تمہیں تو چاہئے تھا کہ اس پر غور نہ کرو کہ شکایت کس نے کی ہے؟ تمہارا اس سے کوئی کام نہیں۔ اگر یہ کمزوری ہے تو دور کرو اور اگر نہیں ہے تو پھر بھی استغفار کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ناکردہ گناہوں کی سزا سے بھی بچائے اور پھر جو صحیح رپورٹ ہے وہ دے دی جائے کہ اصل حقیقت اس طرح ہے۔ باقی یہ میرا کام ہے کہ شکایت کرنے والے کو کس طرح جواب دینا ہے یا جواب دوں کہ نہ دوں؟ اگر بغیر نام کے کوئی شکایت کرتا ہے تو وہ تو ویسے بھی قابلِ توجہ نہیں ہوتی۔ اُس کی

جماعت میں کوئی پذیرائی نہیں ہوتی ۔ بہر حال یہ بات عہدیداروں سے اپنے عہدوں اوراپنی امانتوں کے پورا کرنے کا تقاضا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے سپرد جو یہ کام کیا ہے اُس کو صحیح طرح نبھائیں اوراسی طرح سچی گواہی کا تقاضا ہے کہ وہ اصلاح کی طرف توجہ دیا کرے، نہ کہ شکایت کنندہ کی تلاش کرنے کی طرف۔ اگر شکایت کرنے والے کا نام مَیں نے بتانا ہوگا تو خود ہی بتادوں گا اور اکثر بتا بھی دیا کرتا ہوں۔ لیکن یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ اس صورت میں پھر بعض دفعہ شکایت کرنے والے پر زمین تنگ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو یہ بھی تقویٰ سے دور بات ہے۔ یہ پھر امانتوں اور عہدوں کی صحیح ادائیگی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایات پر، احکامات پر صحیح عمل نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنا ہے تو ہر معاملے میں، ہر سطح پر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق چلانے کی کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف عہدیداروں تک ہی میری بات محدود نہیں ہے ہر احمدی کو اس بات کی طرف توجہ دینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا عبد بننے کے لئے ہم تمام احکامات کو اپنے اوپر لاگو کرنے کی کوشش کریں۔ اپنے ایمان کو کامل کرنے کی کوشش کریں۔ اپنے اندر عاجزی پیدا کریں۔ اپنے اندر کے فخر اور تکبر کے بتوں کو توڑ دیں۔ سچائی کے اعلیٰ معیار قائم کریں۔ عفو اور درگزر کی عادت ڈالیں۔ غیبت اور چغلی سے بچیں۔ امانتوں کے حق ادا کرنے کی کوشش کریں۔ عدل کو قائم کریں اور نہ صرف عدل کو قائم کریں بلکہ اُس سے بڑھ کر احسان کریں اور پھر اِیْتَاۤئِ ذِی الْقُرْبٰی (النحل:91) کا سلوک کریں۔ بغیر کسی انعام کے خدمت کا جذبہ ہو۔ اپنے ماحول میں اپنے ملنے والوں سے، اپنے ہمسایوں سے حسنِ سلوک کریں کہ یہ بھی اسلام کی ایک بہت اہم تعلیم ہے۔ قرآنِ کریم کی بہت اہم تعلیم ہے۔ ہمسایوں کی جو تعریف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی ہے اور جس طرح ہمسائیگی کے حق کو آپ نے وسعت دی ہے اگر ہم اُس طرح اس کو وسعت دیں تو ہماری آپس کی رنجشیں جو ہیں بالکل ختم ہو جائیں۔ ایک گھر نہیں، سو گھر نہیں اگلے شہر تک، ملک تک یہ وسعت پھیلتی چلی جاتی ہے اور اس سے پھر ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی طرف توجہ پیدا ہو جائے گی۔ عیب چینی سے بچنے لگ جائیں گے۔ غیبت کی عادت ختم ہو جائے گی کیونکہ یہ بھی اتنی بڑی برائی ہے کہ اس کو مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے اللہ تعالیٰ نے تشبیہ دی ہے۔ پس یہ غیبت کس قدر کراہت والی چیز ہے۔ لیکن ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو بغیر سوچے سمجھے غیبت کرتے چلے جاتے ہیں اور پھر توجہ دلانے پر کہتے ہیں کہ یہ چیزیں تو اس میں پائی جاتی ہیں۔ بعض مجلسوں میں گھروں میں بیٹھ کر عہدیداروں کے بارے میں باتیں کی جاتی ہیں، اُن کی برائیاں ظاہر کی جاتی ہیں۔ یہ چیزیں بھی غلط ہیں۔ یہ غیبت شمار ہوتی ہے اور کہا یہ جاتا ہے یہ برائیاں اُن میں موجود ہیں۔ ہم جھوٹ تو نہیں کہہ رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمہارے بھائی میں اگر یہ برائیاں ہیں اور تم اُس کی پیٹھ پیچھے اُن کا ذکر کرتے ہو تو یہی غیبت ہے۔ اگر برائیاں نہیں ہیں اور پھر بھی تم ذکر کر رہے ہو تو پھر تو یہ بہتان ہے۔ (سنن ترمذی کتاب البر و الصلة باب ما جاء فی الغیبة۔ حدیث 1934)

پس ان برائیوں سے بچنا بھی ہمارا فرض ہے۔ نیکیوں کو اختیار کرنا ہمارا فرض ہے۔ تبھی ہم اُن لوگوں میں شمار ہو سکتے ہیں جو نیکیوں کی تلقین کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے ہیں۔

پس ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی باتوں پر لبیک کہنا اُس وقت حقیقی ہوگا جب ہم تمام قسم کے احکامات کو اپنے اوپر لاگو کریں گے۔ سب سے پہلے اپنی اصلاح کریں گے اور پھر دنیا کی اصلاح کریں گے جو ہمارا کام ہے تبھی ہم وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ کہ ’مجھ پر ایمان لاؤ‘ کے مصداق بنیں گے، ورنہ ہمارا ایمان کامل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ کے بعد یُؤْمِنُوْا بِیْ کہہ کر اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرو اور ہر قسم کے اعلیٰ اخلاق ہی ایمان میں کامل کریں گے۔ اور عبدیت میں طاق کریں گے۔ پس ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے کی بھی پوری کوشش کریں۔ اس رمضان کے ان آخری دنوں میں یہ عہد کریں کہ ہم نے اپنی روحانی اور اخلاقی حالتوں کو اعلیٰ معیار تک پہنچانے کی کوشش کرنی ہے اور پھر اس پر قائم بھی رہنا ہے، انشاء اللہ۔ جن برکتوں کو اس رمضان میں ہم نے مشاہدہ کیا ہے اُن کو ہمیشہ قائم رکھنے کے لئے کوشش کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرنے کی کوشش کرنی ہے اور کرتے چلے جانا ہے۔ اس بابرکت مہینے میں اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق حقیقی عبد بننے کی کوشش کرنی ہے۔ جو چند دن بقایا رہ گئے ہیں اُس میں بھرپور کوشش کی جائے اور پھر قربِ الٰہی کی اس کوشش کو رمضان کے بعد بھی انشاء اللہ تعالیٰ جاری رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ ☆......☆......☆

جمعۃ الوداع کا غلط تصور

ازافادات حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ

’’پس اگر انسان جن کو بڑا سمجھتا ہوٗان کے ساتھ یہاں تک سلوک کرتا ہے اگر واقعتاً خدا پر یقین ہو اور خدا کو حقیقتاً بڑا سمجھتا ہو تو کیسے ممکن ہے کہ خدا کی بڑائی سے تو مونہہ موڑے رکھے اور خدا کی طرف ہمیشہ روزانہ جب بھی نماز کا وقت آئے پیٹھ پھیر کر دنیا کی طرف چلا جائے اور پھر بھی اس کا خدا پر یقین قائم، اور خدا کو بڑا سمجھ رہا ہے۔ پس یہ جھوٹ ہے۔ یہ جھوٹ کی زندگی ہے اس کی طرف متوجہ ہونا اس لئے ضروری ہے کہ امر واقعہ یہ ہے کہ جانا پھر وہیں ہے جس خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے، جہاں سے ہم آئے ہیں اور جو نعمتیں ہمیں عطا ہوئیں، اسی خدا نے عطا فرمائیں جو رب العالمین ہے اور ان نعمتوں کے حصول کے باوجود ناشکری کی زندگی تو بہت ہی ناپسندیدہ زندگی ہے۔

ایک طرف دنیا کا انسان جو تمہیں کچھ دے سکتا ہے بسا اوقات نہیں بھی دیتا تو اس کی چوکھٹ پر سر پٹکتے چلے جاتے ہو۔ کتنے سیاستدان ہیں جنہوں نے دنیا کو، واقعتاً اپنے پیچھے چلنے والوں کو کچھ عطا کیا ہے؟ صرف ایک فخر ہی کا احساس ہے۔ یہ یقین ہے کہ ہم بڑے ہیں کیونکہ ہمارا دوست بڑا ہے۔ ہم اس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں مگر دیتے کب ہیں کچھ۔ اللہ تعالیٰ جو ربّ العالمین ہے جس نے تمہاری زندگی کے سارے سامان پیدا فرمائے اسکے شکر کا تصور تک تمہارے دل میں پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی عبادت کو یہ سمجھتے ہو کہ اتنا بوجھ ہے کہ مصیبت پڑ گئی ہے اس لئے سال کا ایک جمعہ بھی اس لئے پڑھا جاتا ہے کہ چلو سارا سال نہ سہی اس ایک جمعہ سے ہی خدا تعالیٰ راضی ہو جائے گا۔ نہ کوئی خرچ کرنا پڑا نہ کوئی مصیبت اٹھانی پڑی مفت کا یار کمایا گیا اور کیا چاہیئے۔

اور دراصل بہت سے علماء بدقسمتی کے ساتھ لوگوں کو اس طرف ان غلط راہوں کی طرف لے جاتے ہیں یہ تصور پیش کرتے ہیں کہ خدا تو بڑا رحیم و کریم ہے کیا مصیبت پڑی ہے اس کی راہ میں محنتیں کرنے کی۔ جمعۃ الوداع میں اگر تم چلے جاؤ اور جمعہ کے بعد عصر تک دعائیں کرو تو تمہارے سارے سال کی خطائیں ہی نہیں، ساری زندگی کی خطائیں معاف ہو جائیں گی۔ پس جمعۃ الوداع کی برکتیں، اس کی عظمتیں بیان کر کر کے وہ بے وقوفوں کی عقلیں مار دیتے ہیں، جو کچھ تھوڑی سی عقل ہے اس کا بھی ستیاناس کر دیتے ہیں اور قرآن کریم کے اس مضمون سے بالکل منافی تعلیم دے رہے ہیں۔

قرآن کریم فرماتا ہے کہ یاد رکھو عارضی طور پر اگر تم میرے پاس آؤ گے میں سن بھی لوں گا تو یاد رکھنا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔ میرے پاس آکر اگر میرے ساتھ تعلق پیدا ہو جائے تو پھر تم دائمی میرے ہو کر رہو گے۔ لیکن آئے اور چلے گئے، یہ قطعی اس بات کی دلیل ہے کہ تم اپنے وقتی فائدہ کی خاطر آئے تھے۔ تمہارا میری ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کے متعلق فرمایا یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بتائے گا پھر کہ تمہارے اعمال کیا تھے۔ اور آخر دوسری آیت میں یہ نتیجہ نکالا ہے۔ اے ایسے انسان اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ تُو آگ کا ایندھن ہے اس کے سوا تیرا کوئی مقدر نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ تو یہ نقشہ کھینچ کر آگ کا انجام دکھا رہا ہو اور مولوی کہہ رہے ہوں کہ کوئی فکر کی بات نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کر لو پھر جو چاہے کرتے پھرو سب کچھ اجازت ہے۔ اور وہ گناہ جو خدا نہیں بخش سکتا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخشوالیں گے۔ یہ تصور جس قوم کو دے دیا جائے اس کا دین بھی گیا، اس کی دنیا بھی گئی۔ کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ پس بحیثیت احمدی آپ بیدار ہوں۔ اگر آپ نمازیں نہیں پڑھتے رہے تو یہ جمعہ خدا کرے کہ آپ کے لئے آئے مگر آئے گا اس طرح کہ اس جمعہ کے بعد آپ کی کیفیت بدل جائے۔ پھر آپ ہمیشہ خدا ہی کے ہو جائیں یا ہونا شروع ہو جائیں۔ خدا کا ہو جانا تو ایک بہت بڑا کام ہے۔ بہت بڑا دعویٰ ہے لیکن شروع ہو جانا تو کوئی مشکل کام نہیں۔ ایک سمت آپ کچھ قدم اٹھائیں، تھوڑا بہت اس کی طرف رجوع کریں تو باقی کام پھر اللہ خود سنبھال لیتا ہے۔ پس میں آپ کو سمجھاتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں سفر بڑا مشکل کام نہیں ہے۔ آج کے جمعہ کی برکت سے آج اپنے لئے دعائیں کریں۔ ایک اپنے لئے لائحہ عمل تجویز کریں اور اس فکر کے ساتھ آج جمعہ سے فارغ ہوں کہ ہم اس جمعہ کی برکتوں کو باقی سال میں سنبھالنے کے لئے کیا کریں گے۔‘‘

(خطبہ جمعہ فرمودہ 7/فروری 1997 بحوالہ الفضل انٹرنیشنل، لندن۔28/مارچ 1997)

رمضان کے روزے

حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب

قدرت نے انسان کی اصلاح کے لئے جو راہیں تجویز کی ہیں ان میں روزہ کو خاص اہمیت حاصل ہے دنیاوی لحاظ سے جہاں روزہ شجاعت اور ایثار جیسی اعلیٰ صفات کا موجب بنتا ہے وہاں روحانی لحاظ سے خود اللہ تعالیٰ اس کی جزا بنتے ہیں یعنی لقاء الٰہی اور روحانی مشاہدات کی نعمت سے انسان کو نوازا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دفعہ الٰہی منشاء کے ماتحت چھ ماہ کے روزے متواتر رکھے اس کے نتیجہ میں جو روحانی فیوض آپ پر نازل ہوئے ان کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

''اس اثناء میں عجیب عجیب مکاشفات مجھ پر کھلے۔ بعض گزشتہ انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معہ حسنین وعلی رضی اللہ عنہما و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دیکھا۔ یہ خواب نہ تھی بلکہ بیداری کی ایک قسم تھی۔ علاوہ ازیں انوار روحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز و سرخ ایسے دلکش و دلستان طور پر نظر آئے تھے جن کا بیان کرنا طاقت تحریر سے باہر ہے وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے تھے جن میں سے بعض چمکدار اور بعض سبز و سرخ تھے ان کو دل سے ایسا تعلق تھا کہ ان کو دیکھ کر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا۔ اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذّت نہیں ہوتی جیسا کہ اس کو دیکھ کر دل اور ارواح کو لذّت آتی تھی۔ میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خدا اور روزہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے یعنی وہ ایک نور تھا جو دل سے نکلا اور دوسرا وہ نور تھا جو اوپر سے نازل ہوا اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہوگئی۔''

غرض روزہ ایک ابدی اور فطری صداقت ہے جس میں بے شمار کمالات پوشیدہ ہیں اس لئے ہر آسمانی مذہب نے کسی نہ کسی شکل میں روزہ کو اپنے روحانی احکام کا جزو بنایا ہے اور اسلام کی تاریخ کا تو نقطہ آغاز ہی روزہ ہے۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان کے مہینہ میں غار حرا میں روزہ کے ساتھ اعتکاف کرتے تھے یہاں تک کہ ایک سال آپ اپنے دستور کے مطابق اعتکاف میں تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور پہلی وحی آپ پر نازل ہوئی۔

گویا ایک عظیم الشان کلام اور دائمی مذہب کی بنیاد جس عبادت پر رکھی گئی وہ روزہ تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ روزہ ایک ایسا بابرکت سورج ہے جس کی شعاعیں انسانیت کی تکمیل کا باعث ہیں اور اس کی فرحت بخش حرارت حق کی تلاش کے بیج کو نمو عطا کرتی ہے اور ان شعاعوں کی روشنی میں ہی وہ بڑھتی پھلتی اور پھولتی ہے کٹھن راہیں آسان سے آسان تر نظر آنے لگتی ہیں شہوات کے طوفان تھم جاتے ہیں ظلمات کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور منزلِ مقصود یاں تخلیق انسانیت کا مقصد اکمل بالکل صاف سامنے نظر آنے لگتا ہے۔

رمضان کے روزے کب فرض ہوئے

روزہ اسلام کے پانچ ارکان میں شامل ہے خداوند تعالیٰ نے ان روزوں کے لئے وہی مہینہ انتخاب کیا جس میں آپ ہر سال اعتکاف کرتے تھے۔ 2 ہجری میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ O

(البقرة:184)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ج فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط

(البقرة: 186)

یعنی اے وہ جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلوں پر فرض تھے یہ اس لئے ہوا کہ تا تم تقویٰ کی نعمت سے سرفراز کئے جاؤ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہونا شروع ہوا یہ قرآن لوگوں کے لئے ہدایت اور فرقان اور ہدایت کی بیّنات پر مشتمل ہے پس جو شخص تم میں سے اس مہینہ میں موجود ہو وہ اس میں روزے رکھے۔

روزے کی وجہ تسمیہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

رمضان سورج کی تپش کو کہتے ہیں رمضان میں چونکہ انسان اکل وشرب اور تمام جسمانی لذتوں پر صبر کرتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کے احکام کے لئے ایک حرارت اور جوش پیدا کرتا ہے۔ روحانی اور جسمانی حرارت اور تپش مل کر رمضان ہوا۔ روحانی رمضان سے مراد روحانی ذوق وشوق اور حرارت دینی ہوتی ہے۔ رمضان اس حرارت کو بھی کہتے ہیں جس سے پتھر گرم ہوتے ہیں۔ رمضان دعا کا مہینہ ہے۔ نماز تزکیہ نفس کرتی ہے اور روزہ سے تجلی قلب ہوتی ہے۔ اور تجلی قلب سے مکاشفات ہوتے ہیں۔ جن سے مومن خدا کو دیکھ لیتا ہے۔

رمضان کا چاند

رمضان کا چاند دیکھنے کا اہتمام سنت ابرار ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین رمضان کے چاند کا انتظار اس اشتیاق سے کرتے جیسے کسی معشوق کی آمد ہے۔ ایک خاص گہما گہمی ہوتی تھی اور ایک خاص ذوق وشوق رمضان کی برکات کے حصول کے لئے ان میں پیدا ہو جاتا تھا۔ جس رات رمضان کا چاند نظر آتا اسی رات سے قیام اللیل پر عمل شروع ہو جاتا رات کو جاگنا کثرت سے نوافل پڑھنا تراویح کا اہتمام کرنا قرآن پڑھنا اور سننا اور ذکر الٰہی کرنا اس کے بعد تھوڑی دیر سو کر نماز تہجد اور سحری کے لئے اُٹھ بیٹھنا ان ہی مشاغل میں ان کی رات بسر ہو جاتی اور ہر رات ان کا یہی معمول رہتا۔

روزہ کے احکام

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَاَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَاِنْ اُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلاَثِيْنَ'' یعنی چاند دیکھ کر روزے رکھنے شروع کرو۔ اور شوال کا چاند نظر آنے پر روزے ختم کرو۔ اگر بادل کی وجہ سے معاملہ مشتبہ رہے اور چاند نظر نہ آ سکے تو پھر شعبان کے تیس دن شمار کرو۔ اسی طرح اگر شوال کے چاند میں یہ دقت پیش آئے تو رمضان کے تیس روزے پورے کرو۔

اگر ایک گاؤں کے لوگ چاند دیکھ لیں تو دوسرے گاؤں والے جنہوں نے چاند نہیں دیکھا چاند دیکھنے والوں کے مطابق عمل کریں۔ اگر مطلع ابر آلود ہو اور حالت مشتبہ ہو اور ایک شخص اگر گواہی دے کہ اس نے چاند دیکھا ہے تو اس کی گواہی کو تسلیم کر لیا جائے اور اگر انہی حالات میں عید کے چاند کے متعلق دو آدمی گواہی دیں کہ انہوں نے عید کا چاند دیکھا ہے تو ان کی گواہی تسلیم کی جائے گی۔ لیکن اس کے لئے صرف ایک آدمی کی گواہی کافی نہیں ہوگی اور اگر مطلع صاف تھا تو پھر ایک یا دو آدمیوں کی گواہی معتبر نہ ہوگی بلکہ ایک جم غفیر کی گواہی کی ضرورت ہوگی۔ سحری کے وقت یعنی طلوع فجر سے کچھ دیر پہلے اٹھنا اور حسب خواہش اور حسب پسند کھانا کھا کر روزہ کی نیت کرنا بڑے ثواب کا موجب ہے بغیر کچھ کھائے روزہ رکھ لینا یا بہت سویرے کھانا کھا لینا پسندیدہ نہیں سمجھا گیا۔ بہر حال صبح کے طلوع ہونے سے پہلے روزہ کی نیت زیادہ بہتر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''جو شخص فجر سے پہلے روزہ کی نیت نہیں کرتا اس کا روزہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی طرح حضرت زیدؓ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے۔ حضرت انسؓ نے حضرت زیدؓ سے پوچھا سحری کھانے اور نماز میں کتنا وقفہ تھا تو آپؓ نے فرمایا پچاس آیتیں پڑھنے پر جتنا وقت صرف ہوتا ہے اندازاً اتنا وقفہ تھا۔''

طلوع فجر سے لے کر سورج غروب ہونے تک نہ کھانا نہ پینا اور نہ ہی اپنی بیوی سے ہم بستر ہونا۔ بشرطیکہ اس میں نیت اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو روزہ کہلاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ضروری ہے کہ ہر قسم کی برائیوں سے گپ بازی سے اور فضول اور لغو کاموں سے انسان باز رہے۔ سارا دن ذکر الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسر کرے یعنی خواہ وہ کوئی دینوی کام ہی کر رہا ہو اللہ تعالیٰ کی یاد اس کے دل سے محو نہ

ہو۔حقیقی روزہ اسی کا نام ہے صرف بھوکا پیاسا رہنا اور اپنی بدعادات کو ترک نہ کرنا روزہ کے مقصد کو پورا نہیں کرتا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے مَنْ لَمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِوَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَ شَرَابَہٗ ۔یعنی جو شخص جھوٹ اور اس پر عمل کو ترک نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کے کھانا پینا چھوڑ دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ رمضان کے دنوں میں صدقہ و خیرات بھی کثرت سے کرنی چاہیئے۔انسان کا ہاتھ کھلا رہے اور دوست احباب کی خاطر و مدارات میں بھی سبقت دکھائے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رمضان کی ہر رات میں آپ پر جبرائیل علیہ السلام نازل ہوتے اور ان دنوں میں آپ یوں سخاوت کرتے جیسے تیز ہوا چلتی ہے۔

اگر یاد نہ رہے اور بھول کر انسان کچھ کھا پی لے تو اس کا روزہ علیٰ حالہ باقی رہے گا۔اور کسی قسم کا نقص اس کے روزے میں واقع نہیں ہوگا بلکہ ایسی صورت میں بہتر ہے کہ اگر کوئی بھول کر کھانے پینے لگ جائے تو پاس کے لوگوں کو اسے یاد نہیں دلانا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ اسے کھلا رہا ہے۔ پھر انہیں کیا ضرورت پڑی کہ وہ اس میں روک ثابت ہوں حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا اَكَلَ الصَّائِمُ نَاسِيًا اَوَشَرِبَ نَاسِيًا فَاِنَّمَاھُوَرِزْقٌ سَاقَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ وَلَا قَضَاءَ عَلَیْہِ وَلاَ كَفَّارَةَ۔

کوئی روزہ دار بھول کر کھا پی لے تو اسے پریشان نہیں ہونا چاہیئے یہ تو رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا نہ اس پر قضا ہے نہ کفارہ ہے البتہ اگر کوئی شخص غلطی سے روزہ توڑ بیٹھے مثلاً روزہ یاد تھا لیکن کلّی کی غرض سے مونہہ میں پانی ڈالا اور پانی اندر چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔تو اس کی قضاء ضروری ہوگی لیکن نہ وہ گنہگار ہے اور نہ اس پر کفارہ ہے۔

جان بوجھ کر روزہ توڑ دینا

جو شخص جان بوجھ کر روزہ توڑے وہ سخت گنہگار ہے ایسے شخص پر بغرضِ توبہ کفارہ واجب ہوگا۔یعنی پے در پے اسے ساٹھ روزے رکھنے پڑیں گے یا ساٹھ مسکینوں کو اپنی حیثیت کے مطابق کھانا کھلانا پڑے گا یا ہر مسکین کو دو سیر گندم یا اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی توبہ کے سلسلہ میں اصل چیز حقیقی ندامت ہے جو دل کی گہرائیوں میں پیدا ہوتی ہے اگر یہ کیفیت انسان کے اندر پیدا ہو جائے لیکن اس میں ساٹھ روزے رکھنے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کی استطاعت نہ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کے رحم اور اس کے فضل پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔اس صورت میں استغفار ہی اس کے لئے کافی ہوگا۔حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور دہائی دینے لگا یا حضرت میں ہلاک ہوگیا۔حضورؐ نے دریافت فرمایا کس نے تجھے ہلاک کیا ہے اس نے عرض کی حضورؐ روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کے پاس چلا گیا ہوں۔حضورؐ نے فرمایا کیا تو غلام آزاد کرسکتا ہے۔اس نے عرض کی نہیں۔پھر حضورؐ نے پوچھا ساٹھ روزے مسلسل رکھ سکتا ہے؟ اس نے کہا حضور نہیں اگر ایسا ہوسکتا اور شہوانی جوش کو روک سکتا تو یہ غلطی ہی کیوں سرزد ہوتی۔حضور نے فرمایا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو اس نے کہا غربت ایسا کرنے سے مانع ہے۔حضورؐ نے فرمایا تو پھر بیٹھو اتنے میں کوئی شخص ایک ٹوکری کھجوروں کی لے آیا۔آپ نے فرمایا اٹھا لے اسے اور کھلا دے یہ مسکینوں کو۔ٹوکری لے کر عرض کرنے لگا مجھ سے زیادہ اور کون غریب ہوگا مدینہ بھر میں سب سے زیادہ محتاج میں ہوں۔حضورؐ اس کی اس عرض پر کھل کھلا کر ہنس پڑے اور فرمایا جاؤ اپنے اہل و عیال کو ہی کھلا دو۔

وہ امور جن کے متعلق عوام سمجھتے ہیں کہ ان سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے پچھنے لگوانا۔ قے کرنا۔دن کو سرمہ لگانا۔معمولی آپریشن کرانا۔کلوروفام سونگھنا روزہ کی حالت میں ان باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔البتہ انہیں پسندیدہ نہیں سمجھا گیا۔اس لئے اس قسم کی باتیں مکروہ ہیں۔ان کے علاوہ کلّی کرنا۔ناک میں پانی ڈالنا۔خوشبو لگانا۔ ڈاڑھی اور سر میں تیل لگانا۔بار بار نہانا۔آئینہ دیکھنا۔مالش کرانا۔ پیار سے بوسہ لینا۔ان میں سے کوئی فعل بھی منع نہیں نہ ان سے روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ ہی مکروہ ہوتا ہے۔اسی طرح جنابت کی حالت میں اگر نہانا مشکل ہو تو نہائے بغیر کھانا کھا کر روزہ کی نیت کرسکتا ہے۔

مرض اور سفر کی حالت میں روزہ

روزہ کا اجر عظیم ہے اَور امراض اور اغراض اس نعمت سے انسان کو محروم کر دیتے

ہیں اس لئے انسان کو دعا مانگنی چاہیئے کہ:

''الٰہی یہ تیرا مبارک مہینہ ہے میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال رہوں یا نہ رہوں یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کرسکوں یا نہ کرسکوں یقین ہے کہ ایسے قلب کو خدا طاقت بخش دے گا لیکن اس کے باوجود اگر تقدیر الٰہی غالب آئے اور انسان بیمار ہو جائے تو یہ بیماری اس کے حق میں رحمت ہو جائے گی کیونکہ ہر کام کا مدار نیت پر ہے جو شخص کہ روزہ سے محروم رہتا ہے مگر اس کے دل میں یہ نیت دردِ دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا اور روزہ رکھتا اس کا دل اس بات کے لئے گریاں ہے تو فرشتے اس کے روزے رکھیں گے۔''

بہرحال بیمار ہونے یا سفر کی حالت میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّیَامُ فِی السَّفَرِ۔ یعنی سفر کی حالت میں روزہ رکھنا نیکی نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے:
قرآن کریم سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے۔ سفر میں تکالیف اٹھا کر جو انسان روزہ رکھتا ہے تو گویا اپنے زور بازو سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے۔ اس کی اطاعت امر سے خوش نہیں کرنا چاہتا۔ یہ غلطی ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت امر ونہی میں سچا ایمان ہے۔

علاوہ ازیں حائضہ اور نفاس والی عورت بھی روزہ نہیں رکھ سکتی۔ ایسے ہی حاملہ اور دودھ پلانے والی بھی روزہ نہ رکھے۔ لیکن بعد میں جب یہ عذر نہ رہیں یعنی بیمار تندرست ہو جائے۔ مسافر اپنے گھر پہنچ جائے یا کسی جگہ پندرہ یا پندرہ سے زائد دن ٹھہرنے کا ارادہ کر لے۔ حائضہ حیض سے پاک ہو جائے نفاس کے دن ختم ہو جائیں۔ حاملہ کے بچہ پیدا ہو جائے یا دودھ پلانے والی دودھ پلانا بند کر دے۔ اس حالت میں ان لوگوں پر چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا واجب ہوگی۔ اور یہ روزے دوبارہ انہیں رکھنے ہوں گے۔

مزدور اور روزہ

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا گیا کہ کاشتکاروں اور مزدوروں سے جن کا گزارہ کاشتکاری اور مزدوری پر ہے روزہ نہیں رکھا جاتا ان کی نسبت کیا ارشاد ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا **انما الاعمال بالنیات**۔ یہ لوگ اپنی حالتوں کو مخفی رکھتے ہیں۔ ہر شخص تقویٰ اور طہارت سے اپنی حالت سوچ لے۔ اگر کوئی اپنی جگہ مزدور رکھ سکتا ہے۔ یُسر ہو رکھ لے۔ اب رہا سوال کہ مرض یا سفر کی حدود کیا ہیں یا روزہ نہ رکھ سکنے کا معیار کیا ہے تو اس کے متعلق شریعت نے کوئی خاص حکم بیان نہیں فرمایا بلکہ اس بارہ میں اصولی ہدایت یہ ہے کہ ''کُلُّ اِنْسَانٍ فَقِیْہُ لِنَفْسِہٖ'' یعنی اس بارہ میں ہر شخص خود اپنے لئے فقیہہ اور مفتی ہے بزرگوں نے اس سلسلہ میں جو تفصیلات بیان کی ہیں۔ وہ مثالیں ہیں جن سے انسان صحیح فیصلہ تک پہنچنے میں روشنی حاصل کرتا ہے۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ مرض ایسا ہو جس کا انسان کو احساس ہو اور وہ سمجھے کہ اس کی موجودگی میں روزہ رکھنے سے اسے جسمانی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے یا اس کے دماغ پر اس کا اثر پڑے گا۔ یا اُسے اس قسم کی کوفت ہوگی کہ اس کے نتیجہ میں عبادت سے اُسے نفرت ہو جائے گی۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مرض تھوڑی ہو یا بہت اور سفر چھوٹا ہو یا لمبا ہو بلکہ حکم عام ہے اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ مریض اور مسافر اگر روزہ رکھیں گے تو ان پر حکم عدولی کا فتویٰ لازم آئے گا۔ حضور سے کسی نے پوچھا کہ اگر روزہ دار کی آنکھ بیمار ہو تو اس میں دوائی ڈالنی جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا یہ سوال ہی غلط ہے بیمار کے واسطے روزہ رکھنے کا حکم نہیں۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں فرمایا۔ مفتی صاحب آپ کمزور ہیں اس لئے آپ اس سال روزے نہ رکھیں۔ اسی طرح سفر کی حد کے سلسلہ میں بھی یہ کہا گیا ہے کہ سحری کھا کر گھر سے کسی دوسری جگہ جانے کے لئے نکلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے واپس گھر آجائے تو وہ مسافر نہیں اُسے روزہ رکھنا چاہیئے۔ بہرحال ایک طرف رمضان کے روزوں کی عظیم الشان برکات ہیں دوسری طرف حکم ہے کہ مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے۔ ان دونوں باتوں کو سامنے رکھ کر اس نے فیصلہ کرنا ہے کہ آیا وہ مریض ہے یا تندرست مسافر ہے یا گھر کی طرح اپنوں میں مقیم ہے۔ پھر اس کی روحانی حالت جسے وہ اپنے اندر محسوس کرتا ہے وہ بھی صحیح فیصلہ تک پہنچنے میں اس کی رہنمائی کرسکتی ہے اور اسے معلوم ہوسکتا ہے کہ آیا وہ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے یا خداوند تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کر رہا ہے۔

بہرنوع یہ ایک باریک امر ہے اگر کسی شخص پر اپنے نفس کے کسل کی وجہ سے روزہ گراں ہے اور وہ اپنے خیال میں گمان کرتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور میری صحت ایسی ہے کہ اگر ایک وقت نہ کھاؤں تو فلاں فلاں عوارض لاحق ہوں گے اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا تو ایسا آدمی جو خدا کی نعمت کو خود اپنے اوپر گراں گمان کرتا ہے کب اس ثواب کا مستحق ہوگا۔ اس دنیا میں بہت لوگ بہانہ جو ہیں اور تکلیف کا باب بہت وسیع ہے اگر انسان چاہے تو اس کی رُو سے ساری عمر بیٹھ کر نماز پڑھتا رہے اور رمضان کے روزے بالکل نہ رکھے۔

روزہ افطار کرنا

مسلسل روزے رکھتے چلے جانا اور سورج غروب ہونے کے بعد ہر روز روزہ افطار نہ کرنا شریعت میں جائز نہیں۔ لگاتار روزے رکھنے کو وصال کہتے ہیں اور حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال سے منع فرمایا۔ جب سورج غروب ہو جائے تو اس کے غروب ہونے کے ساتھ ہی روزہ کھول دینا چاہیئے۔ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اَحَبَّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا۔ یعنی سب سے زیادہ وہ بندہ مجھے پیارا ہے جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتا ہے اور ایک حدیث میں آتا ہے لَا تُزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ مَا اَخَّرُوا السُّحُوْرَ وَعَجَلُوا الْفِطْرَ یعنی جب تک میری امت سحری دیر سے کھانے اور افطار جلدی کرنے پر کاربند رہے گی وہ رمضان کی برکات سے حصہ پاتی رہے گی۔

نماز تراویح

رمضان کی راتوں کو زندہ رکھنا یعنی کم سونا اور رات کو جاگنا بہت بڑی برکتوں کا موجب ہے شب بیداری کی حالت میں جو عبادتیں انسان نے بجا لانی ہیں ان میں تراویح بھی ہے۔ یہ نماز دراصل تہجد کی نماز ہے اس لئے سحری کے وقت اسے ادا کرنا زیادہ ثواب کا موجب ہے۔ لیکن اگر زیادہ سویرے اٹھنے میں حرج محسوس ہو تو عشاء کے بعد ہی جماعت کے ساتھ ادا کی جائے۔ اس نماز کی آٹھ رکعتوں میں ہر چار رکعتوں کے بعد کچھ دیر آرام کرنا چاہیئے۔ اس نماز میں رمضان بھر میں قرآن مجید ختم کرنا سنت ابرار ہے۔ قرآن کریم کے حُفّاظ اس نعمت کے حاصل کرنے کی خاص طور پر توفیق پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

فدیہ اور روزہ

جو شخص روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ فدیہ یعنی ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلائے کیونکہ فدیہ سے روزہ کی توفیق ملتی ہے۔ خداوند تعالیٰ قادر مطلق ہے اگر وہ چاہے تو ایک مدقوق کو بھی طاقت روزہ عطا کر سکتا ہے اسی طرح ہر روزہ دار پر واجب ہے کہ وہ عید الفطر پڑھنے سے پہلے پہلے صدقۃ الفطر ادا کرے۔ یعنی جماعت کے نظام کے ماتحت غریبوں کے لئے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہر اس فرد کی طرف سے دے جس کا خرچ وہ برداشت کر رہا ہے۔ مثلاً چھوٹے بچے ہیں یا غلام ہیں۔ بیوی یا بڑی اولاد خود ذمہ دار ہیں ان کی طرف سے ادا کرنا اس پر واجب نہیں۔

لیلۃ القدر

لیلۃ القدر ایک ایسی رات ہے جس میں انسان کو قبولیت دعا کی گھڑی نصیب ہوتی ہے یہ رات ہزار مہینوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور عموماً رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں آتی ہے۔ اس رات کی تلاش میں بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہنا صلحاءِ اُمت کا معمول رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان اور خلوص نیت کے ساتھ جس نے لیلۃ القدر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر الٰہی میں بسر کی اس کے سارے گناہ بخشے گئے۔ ایک دفعہ فرمایا۔ اگر مجھے لیلۃ القدر مل جائے تو میں یہ دعا مانگوں اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ العَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔

اعتکاف

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بھی لیلۃ القدر کی تلاش کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ جو شخص یہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ رمضان کا پورا آخری عشرہ اعتکاف میں

گزارے وہ 20 کی صبح کو نماز پڑھ کر اعتکاف میں بیٹھ جائے۔ بہر حال اعتکاف کے معنی یہ ہیں کہ روزہ کی حالت میں مسجد میں یہ دن ذکر الٰہی میں بسر کرے۔ مسجد سے باہر جانے کی اُسے اجازت نہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ قضائے حاجت کے لئے باہر نکلے۔ ایسی صورت میں اگر راستہ میں کسی عیادت کا موقع بھی مل جائے تو کیا ہی کہنے۔ ایک پنتھ دو کاج۔ جمعہ کے دن جامعہ مسجد میں جمعہ کے لئے جاسکتا ہے۔ اعتکاف کی راتوں میں معتکف اپنی بیوی کے پاس نہیں جاسکتا۔

حرفِ آخر

روزہ جیسے تقویٰ سیکھنے کا ایک ذریعہ ہے ایسے ہی قربِ الٰہی حاصل کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کا ذکر فرماتے ہوئے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے:

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَادَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ O

(البقرۃ: 187)

یہ رمضان کی بھی شان میں فرمایا گیا ہے اور اس سے اس ماہ کی عظمت اور سرّ الٰہی کا پتہ لگتا ہے کہ اگر وہ اس میں دعائیں مانگیں تو میں قبول کروں گا۔ لیکن ان کو چاہیئے کہ میری باتوں کو قبول کریں اور مجھے مانیں۔ انسان جس وقت خدا تعالیٰ کی باتیں ماننے میں قوی ہوتا ہے خدا بھی ایسے ہی اس کی باتیں مانتا ہے۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا عَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

لیلۃ القدر کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی۔

اے اللہ! تو بہت معاف کرنے والا ہے۔ تو عفو کو پسند کرتا ہے پس مجھ سے درگزر فرما۔ (آمین)

مسافت کے صلے

سید الطاف حسین بخاری، ہیوسٹن

یہ جو مسافت کے سلسلے ہیں
اے میرے دلبر تیرے لئے ہیں
جو پھول صحرا میں چند کھلے ہیں
یہ میرے پاؤں کے آبلے ہیں
میں راز کہہ دوں گا سارے دل کے
نہ خوف من میں نہ لب سلے ہیں
جو لطف اہل جنوں نے پائے
وہ اہل دانش کو کب ملے ہیں
جو زخم کھائے رہِ وفا میں
گلاب بن کر وہی کھلے ہیں
جو نور و خوشبو میں آ بسے ہو
اسی مسافت کے یہ صلے ہیں

روزہ افطار کرنے کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ لَکَ صُمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلیٰ رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ

اے اللہ! میں نے تیری رضا کی خاطر روزہ رکھا اور میں تجھ پر ایمان لایا اور تیرے دئے ہوئے رزق سے میں روزہ کھول رہا ہوں۔

ماہِ رمضان۔عبادتوں کا مہینہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے خطبہ جمعہ فرمودہ 7 نومبر 1969ء میں فرمایا:

ماہِ رمضان اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آ رہا ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔اس مہینے میں تمام قسم کی عبادتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کو قائم کرنے یا ادا کرنے پر بہت کچھ کہا گیا ہے۔رمضان کا مہینہ پانچ بنیادی عبادتوں کا مجموعہ ہے۔

پہلے تو روزہ ہے دوسرے نماز کی پابندی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔پھر قیام اللیل یعنی رات کے نوافل پڑھے جاتے ہیں۔تیسرے قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت ہے چوتھے سخاوت اور پانچویں آفاتِ نفس سے بچنا ہے ان پانچ بنیادی عبادات کا مجموعہ عبادات ماہِ رمضان کہلاتی ہیں۔

جہاں تک روزہ کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ حکم دیا اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ (بخاری کتاب الصوم باب ھل یقول انی صائم اذاشتم) یعنی روزہ گناہوں سے بچاتا اور عذابِ الٰہی سے محفوظ رکھتا ہے۔

انسان کی روحانی سیر کی ابتداء گناہوں سے بچنے سے شروع ہوتی ہے اور اس سیر روحانی کی انتہاء اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچتے ہوئے اس کی رضا کی جنتوں میں داخل ہونے پر ختم ہوتی ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چونکہ روزہ کا اور رمضان کے مہینے کی عبادتوں کا قیام اس غرض سے ہے کہ انسان ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے جس کے نتیجہ میں وہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے بھی محفوظ رہے اور اس کی رضا کی جنتوں میں بھی داخل ہو جائے۔اسلئے ہم تمہیں اس طرف توجہ دلاتے ہیں۔فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ (بخاری کتاب الصوم باب ھل یقول انی صائم اذاشتم) یعنی نہ زبان سے کوئی گناہ کرے اور نہ ہاتھ سے کوئی گناہ کرے۔

حقوق العباد کا تعلق دو ہی چیزوں سے ہے اور دو ہی گناہوں سے حقوق تلف کئے جاتے ہیں۔کبھی زبان سے حق تلفی کی جاتی ہے کبھی عمل سے حق تلفی کی جاتی ہے اور یہاں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ یہ مہینہ خاص تربیت کا ہے جو بقیہ گیارہ ماہ بھی تمہارے کام آئے گا اس ماہ میں یہ عادت پختہ کرلو کہ نہ اپنی زبان سے تم نے کسی کو دکھ پہنچانا ہے اور نہ اپنے عمل سے کسی کی حق تلفی کرنی ہے۔

پس روزہ جو ہے یا صیام کا نظام جو ہے جسے قرآن کریم نے ماہِ رمضان کہا ہے پانچوں عبادتوں پر مشتمل ہے۔اس کی غرض یہ ہے کہ انسان گناہوں سے محفوظ رہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں کو حاصل کرے اور اس کا طریق یہ ہے کہ زبان سے بھی کسی کی حق تلفی نہ ہو اور ہاتھ سے بھی کسی کی حق تلفی نہ ہو۔جس کا اللہ تعالیٰ نے حق قائم کیا ہے اس حق کو قائم کیا جائے اور ادا کیا جائے۔اس میں حق نفس بھی آ جاتا ہے اور جو شخص اس حکمت کو سمجھتا اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالتا اور رمضان کے مہینے میں سختی سے اس پر کاربند ہوتا ہے۔اس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ رمضان میں اس پر جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (**بخاری کتاب الصوم باب ھل یقال رمضان او شھر رمضان**) اور دوسری جگہ فرمایا کہ اس پر آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔جس کا مفہوم یہی ہے کہ آسمان کے دروازے کھلتے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔دوسرے یہ کہ آسمان کے دروازے کھلتے اور اعمالِ صالحہ بجالانے کی توفیق ملتی ہے اور انسان حسن قبول کی جزا حاصل کرتا ہے۔انسانی اعمال کو اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے اور اس سے بہتر بدلہ دیتا ہے۔جس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اور انسان کو اپنے ربّ کی طرف سے اعمال صالحہ بجالانے کی توفیق حاصل ہوتی ہے اور پھر وہ اعمالِ صالحہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حسن قبول کا

مقام پاتے ہیں تو اُس وقت فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّة ہو ہی جاتے ہیں۔ جنت ہی کا دروازہ ہے جو اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے اندر وہ لوگ داخل ہوں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اعمال صالحہ کی توفیق پائی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان اعمال صالحہ کو قبول کیا۔

پس رمضان کے مہینے میں روزہ ہم پر اس لئے فرض نہیں کیا گیا کہ ہم تکلیف اُٹھائیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُسْرٌ (بخاری کتاب الایمان باب الذین یسر) اللہ کے دین یعنی دینِ اسلام میں کسی پر کوئی ایسی تنگی نہیں ڈالی گئی جو اس کے جسمانی یا دیگر قویٰ کی نشو ونما میں روک بنے بلکہ سارا دین اور دین کے سب احکام کی غرض ہی یہی ہے کہ انسان سہولت سے اور آرام سے ارتقائی منازل طے کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کے قرب کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرتا چلا جائے اور اس سے ہمیں یہ بھی پتہ لگا جیسا کہ دوسری جگہ بھی اس کی وضاحت ہے کہ صرف بھوکا اور پیاسا رہنا ہم پر فرض نہیں کیا گیا بلکہ صوم ہم پر فرض کیا گیا ہے اور ان دو میں بڑا فرق کیا ہے شریعت اسلامیہ نے۔ بھوکا تو ایک غریب بھی رہتا ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں صائم نہیں ہوتا۔ بھوکا تو ایک بیمار بھی رہتا ہے۔ ڈاکٹر اسے کہتا ہے کہ تیری بیماری ایسی ہے کہ 24 گھنٹے یا بعض دفعہ 48 گھنٹے تیرے معدہ میں غذا نہیں جانی چاہیئے لیکن خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ایسا شخص صائم یعنی روزے دار نہیں ہوتا۔ بھوکا تو وہ بھی رہتا ہے جو جنگل میں راہ گم کر دیتا ہے اور کئی کئی دن تک اسے کھانے کو نہیں ملتا لیکن وہ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں صائم نہیں ہوتا۔ پس محض بھوکا رہنا انسان کو روزہ دار نہیں بناتا بلکہ وہ بھوکا رہنا اللہ تعالیٰ کو پیارا ہے جس میں انسان دو پہلو اختیار کرتا ہے۔ ایک شہوت نفس سے بچنے کا پہلو جو کہ ایک عام Symbol (سمبل) اور علامت ہے اور جس میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ ہر قسم کی آفاتِ نفس سے بچنے کی کوشش کرو اور دوسرے یہ کہ وہ لوگ جو اس لئے اللہ تعالیٰ کی تدبیر نے بھوکے رکھے ہیں کہ وہ بھوکے رہ کر اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کریں ان کے پیٹ بھرنے کیلئے سعی اور کوشش کی جائے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے اس دوسرے اصول کے متعلق بھی ہمارے لئے اپنی زندگی میں ایک بہترین اُسوہ اور کامل نمونہ قائم کیا چنانچہ حدیثوں میں آتا ہے۔

کَانَ اَجْوَدُ بِالْخَیْرِ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَةِ

(بخاری کتاب الصوم باب اجود ما کان النبی ﷺ یکون فی رمضان)۔

آنحضرت ﷺ ویسے بھی بڑے سخی تھے اور دوسروں کو سکھ پہنچانے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے لیکن رمضان کے مہینے میں تیز ہوائیں اپنی تیزی میں آپ کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ اس قدر جود اور سچائی پائی جاتی تھی پھر صرف پیسے کی نہیں بلکہ دوسروں کو خیر اور بھلائی پہنچانے کیلئے ایک سخاوت ہوتی ہے۔ سخی دل انسان صرف اپنے مال یا اپنی دولت ہی سے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتا بلکہ وہ اپنے اثر ورسوخ سے بھی دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ وہ اپنے وقت سے بھی دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ وہ اپنی دعاؤں سے بھی دوسروں کو فائدہ پہنچا رہا ہوتا ہے۔ انسان اپنی اس فطرتی سخاوت کا مختلف طریق سے اظہار کر رہا ہوتا ہے۔ غرض آنحضرت ﷺ ہمیشہ ہی سخی تھے لیکن رمضان کے مہینے میں آپ نے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ تمہیں بھوکا اس لئے نہیں رکھا گیا کہ تم بھوک کی تکلیف اٹھاؤ بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ دوسروں کی بھلائی کے کام کرو، نیکی کے کام کرو اور دوسروں کو سُکھ پہنچانے کی سعی کرو۔ اپنے پیسے سے بھی، اپنے اثر ورسوخ سے بھی اور اپنی دعاؤں سے بھی۔

پس رمضان کے مہینے میں دن کے وقت شہوت نفس سے بچا جاتا ہے اور دوسرے کھانے پینے کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ شہوت نفس سے بچنا اصولی طور پر ایک علامت ہے ایک سبق ہے کہ ہر قسم کی آفات نفس سے بچنا ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا:

مَنْ لَمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ

(بخاری کتاب الصوم باب من لم یدع قول الزور العمل به)

یعنی جو شخص صداقت کو چھوڑ کر جھوٹ اور زُوْر اور باطل کی باتیں کرتا اور باطل اصول ہی پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے اور شہوت نفس کو چھوڑ دے کیونکہ خدا تعالیٰ کو وہ مقبول نہیں ہوگا۔ صرف وہ ترک مقبول ہوگا جس کے نتیجہ میں انسان اس حکمت اور اصول کو سمجھنے والا ہو جس حکمت اور اصول کا یہاں سبق دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ نہ تو زبان ناپا کی اور گندگی کی راہوں کو اختیار کرے اور نہ جوارح باطل کے میدانوں میں کوشاں نظر آئیں بلکہ زبان پر حق وصداقت جاری ہو اور حق وصداقت کے چشمے انسان کے جوارح سے پھوٹنے والے ہوں تب خدا تعالیٰ اس وجہ سے کہ انسان روزے کی حکمت کو سمجھا اور اس حکمت کے سمجھنے کے بعد اس نے وہ اعمال بجالائے جو خدا تعالیٰ کو

پیارے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس پر رجوع برحمت ہوگا اور نجات اور جنت کے دروازے آسمانوں پر کھولے جائیں گے اور قرب کی راہوں پر چلنا اس کے لئے آسان ہو جائے گا۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے رمضان کے مہینے میں قیام اللیل کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ آپ نے فرمایا:

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

(بخاری کتاب الصوم باب فضل من قام رمضان)

یعنی جو شخص راتوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی حمد کے لئے اور اس کے بندوں کیلئے دعائیں کرتے ہوئے جاگتا اور شب بیداری اختیار کرتا ہے اس لئے کہ وہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہو اور اس لئے کہ جب وہ اس دنیا میں ایمان کے تقاضوں کو پورا کرے تو اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھے کہ وہ ان کوششوں کو قبول کرے گا اور اس کے نتیجہ میں اس کو آخرت کی نعماء ملیں گی۔ جو ایسا کرے گا غُفِرَ لَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ جو کوتاہیاں اور غفلتیں اس سے ہو چکی ہوں گی اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ رحیمیت کے جوش میں ان کوتاہیوں کو ڈھانپ لے گا اور کوئی جزائے بد جس کا وہ دوسری صورت میں مستحق ہوتا وہ اسے نہیں ملے گی۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص رمضان کے مہینے میں کثرت سے تلاوت قرآن کریم کرتا ہے اس کا بھی اُسے ثواب ملتا ہے۔ کثرت تلاوت قرآن کریم کا ثواب بھی اور دوسرے ثواب بھی محض خدا تعالیٰ کے فضل سے ملتے ہیں۔ جب انسان اس فضل کو جذب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور اس طرح جب اللہ تعالیٰ کے رحیم ہونے کی صفت جوش میں آتی ہے تب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی رضا کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اسے جزا دیتا ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت نیکی تو ہے لیکن صرف اسی صورت میں کہ شرائط پوری ہوں۔ قرآن کریم کی تلاوت تو عیسائی بھی کرتے ہیں مگر وہ اس کی تلاوت اس نیت سے کرتے ہیں کہ قرآن کریم پر اعتراض کریں۔ قرآن کریم کی تلاوت آنحضرت ﷺ بھی کیا کرتے تھے مگر آپؐ نے اس پاک ترین نیت کے ساتھ تلاوت کی کہ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ فضل آپؐ پر نازل ہوا۔ پس کثرت تلاوت قرآن کریم ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ خلوص نیت بھی نہایت ضروری ہے۔ اس کے بغیر تلاوت کی جو نعمتیں ہیں یا قرآن کریم کی جو نعمتیں ہیں وہ انسان کو حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اس کے لئے بڑی جدوجہد کی ضرورت ہے اور یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن کریم کے فیوض سے انسان تبھی حصہ وافر لے سکتا ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحیمیت کو جوش میں لائے۔ اسی لئے رمضان کے مہینے میں کثرت تلاوت پر زور دیا گیا ہے حالانکہ اور بہت سی روحانی مشقتیں (اگر دنیا کا محاورہ استعمال کیا جائے) اس پر ڈالی گئی تھیں۔ دن کو بھوکا پیاسا رہنا اور پابندیاں سہنا اور پھر لوگوں کا خیال رکھنا اور پھر یہ بھی دیکھنا کہ دوسروں کے دکھوں کو دُور کرنے کے لئے رمضان کے دنوں میں اسے باہر جانا پڑے گا اور اسے جانا چاہیئے اگر اس نے روزے کا حق ادا کرنا ہے۔ پھر رات کے نوافل ہیں لیکن ان ساری چیزوں کے باوجود مثلاً قرآن کریم کی اس تلاوت اگر خود قاری ہو یا اس سماع کے علاوہ اگر وہ خود قاری نہ ہو تراویح پڑھ رہا ہو اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ قرآن کریم کی کثرت سے تلاوت کی جائے۔

ہمارے بزرگ محدثین یعنی علم حدیث کے جو علماء تھے وہ تو رمضان کے مہینے میں اپنی حدیث کی کتب کے مسودات اور پوتھیاں وغیرہ کو بند کر دیتے تھے اور صرف قرآنِ کریم کو ہاتھ میں پکڑ لیتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ رمضان میں قرآن کریم کی تلاوت کثرت سے کی جائے۔ دوسرے بزرگ صحابہؓ بھی بڑی کثرت سے تلاوت کرتے تھے۔ بعض تو تین دن کے اندر سارے قرآن کریم کو ختم کر لیتے تھے لیکن میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگوں کو تین دن میں ختم کرنے کا ویسے ہی شوق ہوتا ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو تین دن میں ختم کر لیا۔ دراصل اس طرح جلدی جلدی سمجھے بغیر تین دن میں قرآن کریم کو ختم کرنا ثواب نہیں ہے البتہ قرآن کریم پر جو شخص عبور رکھتا ہے وہ اگر قرآن کریم کو جلدی پڑھتا جائے تب بھی چونکہ اس نے قرآن کریم کو کثرت سے پڑھا ہوا ہوتا ہے اس لئے سارے معانی اس کو یاد آنے شروع ہو جاتے ہیں اور نئے معانی پر اس کا ذہن اللہ تعالیٰ کے فضل سے عبور حاصل کرتا چلا جاتا ہے یہ تو ٹھیک ہے کہ اس طرح تین دن کے اندر قرآن کریم کو پڑھ لیا لیکن جس شخص کو معمولی ترجمہ آتا ہے اگر وہ ریل گاڑی کی طرح تین دن میں قرآن کریم کو ختم کرنا چاہے تو یہ اس کیلئے ثواب کا کام نہیں۔ قرآن کریم کوئی ٹونہ یا تعویذ یا جادو نہیں ہے۔ قرآن کریم تو حکمت اور انوار سے پُر اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی کتاب ہے جس کے علوم سے حصہ لینا چاہیئے

نہ یہ کہ محض جلدی جلدی تلاوت کر لی جائے جو دوسروں کی کیا خود اپنے آپ کو بھی سمجھ نہ آئے۔ پس اگر انسان پورے غور سے اور پوری طرح سمجھتے ہوئے قرآن کریم پڑھ سکتا ہے تو پھر جتنی تیزی سے وہ چاہے پڑھے اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر کوئی شخص صرف ایک سیپارہ غور سے پڑھ سکتا ہے تو اس کو ڈیڑھ سیپارہ نہیں پڑھنا چاہیئے اور میں سمجھتا ہوں اگر کوئی ایسا شخص ہو اور ضرور ایسے ہوں گے جن کو شروع سے پڑھنے کی توفیق نہیں مل سکی۔ ہم نے کئی ایک کو تعلیم بالغاں کے ذریعے قرآن کریم پڑھوایا ہے جس طرح مثلاً اب بھی ہم تاکید کر رہے ہیں کہ قرآن کریم کو اس کے ترجمے کے ساتھ لوگوں کو پڑھایا جائے۔ اگر کوئی آدمی صرف ایک ربع یعنی سیپارے کا چوتھا حصہ غور سے پڑھ سکتا ہے تو اس کو آدھا سیپارہ نہیں پڑھنا چاہیئے کیونکہ ہم نے ایسا نہیں کرنا کہ ایک چکر بنایا اور اس کو چکر دے کے کہہ دیا کہ ایک کروڑ دفعہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی حمد یا اس کی تسبیح بیان کر دی ہے۔

قرآن کریم کو پورے غور کے ساتھ پڑھنا اور اس نیت کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے سمجھنے کی توفیق دے اور پھر اللہ تعالیٰ اس بات کی بھی توفیق دے کہ ہم اس پر عمل کرنے والے ہوں تب تلاوت قرآن کریم کا فائدہ ہے اور تب اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحیمیت کے جلوے انسان دیکھتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کے رحیم ہونے کی صفت کے ساتھ ماہِ رمضان کا بڑا گہرا تعلق ہے۔

سلسلہ میں بہت سی باتیں مجھے چھوڑنی پڑیں گی۔ چند باتیں جو میں اس وقت بیان کرنا چاہتا ہوں ان میں تلاوت قرآن کریم کی کثرت بھی ہے۔ تلاوت قرآن کریم کا خدا تعالیٰ کی صفت رحیمیت کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رحم کا ایک پہلو اس کی صفت رحیمیت کی وجہ سے جوش میں آتا ہے اور قرآن کریم کے فیوض سے وہی شخص مستفید ہو سکتا ہے جس کے لئے خدا تعالیٰ کی صفت رحیمیت جوش میں آتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق فرمایا ہے:

''کسی فردِ انسانی کا کلامِ الٰہی کے فیض سے فی الحقیقت مستفیض ہو جانا اور اس کی برکات اور انوار سے متمتع ہو کر منزل مقصود تک پہنچنا اور اپنی سعی و کوشش کے ثمرہ کو حاصل کرنا یہ صفت رحیمیت کی تائید سے وقوع میں آتا ہے۔''

(براھینِ احمدیہ حصہ چہارم روحانی خزائن جلد1 صفحہ 420)

پس قرآن کریم پر غور کرنا اور یہ عہد اور یہ نیت کرنا کہ ہم اس کے احکام پر عمل کریں گے اور پھر عملاً سعی اور کوشش کرنا یہ ساری چیزیں اس وقت ثمر آور ہوتی ہیں جب انسان اللہ تعالیٰ ہی کے فضل سے اس کی صفت رحیمیت کو جوش میں لاتا ہے اور صفت رحیمیت کی برکت سے کلامِ الٰہی سیکھتا ہے۔ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو بھی فرمایا ہے وہ قرآن کریم کی کسی نہ کسی آیت کی تفسیر ہی ہے اس لئے آپ کی اس عبارت کی رُو سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ میرے کلام کو اس کلام عظیم یعنی اس قرآن کریم کو جو نور محض کے چشمہ سے ہمارے لئے نور محض بن کر نکلا ہے اس سے تم حقیقی فائدہ صرف اسی صورت میں اُٹھا سکتے ہو اور اس کی برکات اور اس کے انوار تمہیں صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں کہ تم اس کو غور سے پڑھو۔ قرآن کریم کے یہ برکات اور یہ انوار جن سے ہم نے متمتع ہونا ہے۔ یہ فی ذاتہٖ ہمارا مقصود نہیں بلکہ یہ ذریعہ ہیں ایک اور مقصد کے حاصل کرنے کا یہ مقصد قربِ الٰہی کا حصول ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم قرآن کریم کے فیوض اور برکات اور اس کے انوار سے متمتع ہونے کے بعد قربِ الٰہی کو صرف اس صورت میں حاصل کر سکتے ہو کہ خدائے رحیم کی رحمت جوش میں آئے اور خدا تعالیٰ کی رحمت کو جوش میں لانے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ

''جس قدر کسی کے دل میں خلوص اور صدق پیدا ہوتا ہے جس قدر کوئی جدوجہد سے متابعت اختیار کرتا ہے اسی قدر کلامِ الٰہی کی تاثیر اس کے دل پر ہوتی ہے اور اسی قدر وہ اس کے انوار سے متمتع ہوتا ہے۔''

(براھینِ احمدیہ حصہ چہارم روحانی خزائن جلد1 صفحہ 420-421)

پس اسلئے کوشش اور مجاہدہ کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ کوشش اور مجاہدہ پانچ جہتوں سے محفوظ کر کے ماہِ رمضان میں رکھا ہے یعنی ایک یہ کہ روزہ رکھنا ہے جس کے معنی ہیں کہ نفسانی شہوات سے پوری مستعدی اور پوری بیداری اور جوش کے ساتھ محفوظ رہنے کی کوشش کرنا اور جو اعمالِ صالحہ ہیں جن کو قرآنِ کریم نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اور جن کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کا فضل جوش مارتا ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے یہ اعمالِ صالحہ بجالانا اللہ تعالیٰ کے حق کو ادا کرنا تلاوت قرآنِ کریم اور قیام اللیل کے ساتھ۔ میں تلاوت قرآنِ کریم اس لئے کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ طریق تھا کہ اگر کسی جگہ کوئی ایسی بات آتی یا کوئی ایسا مضمون بیان ہوتا جس سے خدا تعالیٰ کی بزرگی اور اس کی بڑائی اور اس کی رفعت ثابت ہوتی تو آپ اللہ تعالیٰ کی حمد میں لگ جاتے اور جس وقت وہ جگہ سامنے آتی جہاں خدا تعالیٰ کے غضب اور اس کے قہر کا بیان ہوتا تو آپ استغفار

میں لگ جاتے دراصل قرآنِ کریم کی تلاوت کا یہی طریق ہونا چاہیئے۔

پس رمضان میں ان ساری چیزوں کو اکٹھا کیا گیا ہے اور عبادات کا یہ مجموعہ عظیم مجاہدہ اور عظیم کوشش ہے۔ جس نے اس کے دن اور رات کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ایسی کوشش ہے جس میں نفس کے حقوق کی ادائیگی کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ تزکیہ نفس اور طہارت قلب کی طرف بہت توجہ کی گئی ہے اور ہر شخص کو سکھ پہنچانے اور ہر شخص کو دکھوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ مختلف کوششیں جن کا تعلق دن سے بھی ہے اور رات سے بھی ہے۔ جن کا تعلق ایثار اور قربانی سے بھی ہے یعنی شہوت سے بچنا اور کھانے پینے کو چھوڑ نا اور جن کا تعلق مستعدی اور عزم و ہمت کے ساتھ غیروں سے حسن سلوک سے پیش آنے سے بھی ہے۔ پھر ان کا تعلق حقوق اللہ سے بھی ہے۔ یعنی قرآنِ کریم کی کثرت سے تلاوت کرنا اور اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی ثناء اور اس کی تسبیح کو کثرت سے بیان کرنا۔ اسی طرح ان کا مجموعی طور پر حقوق العباد سے بھی تعلق ہے۔ پس قریباً تمام عبادات کے متعلق ہمیں اشارہ کر دیا گیا ہے۔ پس رمضان میں انسان خدا کی راہ میں گویا اپنی جدوجہد کو اس کے کمال تک پہنچا دیتا ہے اور جس وقت انسان اپنی کوشش کو اس کے کمال تک پہنچاتا ہے اس وقت اگر اللہ تعالیٰ کا فضل جو دراصل اس کی رحیمیت کا فضل ہے جوش میں آئے تو اللہ تعالیٰ اس کو جزا دیتا ہے اور جس وقت اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحیمیت کے ماتحت کسی سے سلوک کرنا چاہتا ہے تو صرف اس کی کوشش ہی کی اسے جزا نہیں دیتا بلکہ ایک تو اس کا فضل ہمیں اس طرح نظر آتا ہے کہ انسان بہر حال کمزور ہے وہ کوشش تو کرتا ہے لیکن اس کی کوشش میں بہت سے نقائص رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ رحیمیت کے نتیجے میں ان نقائص کو دُور کرتا اور انسان کے اعمال کو ضائع ہونے سے بچالیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ انسان کوشش کرتا ہے لیکن اس کی کوشش اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتی۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحیمیت سے اس کو سہارا دیتا ہے اور اس کی کوشش کو کمال تک پہنچا دیتا ہے۔۔۔ پس رمضان کا بابرکت مہینہ آ رہا ہے اس ماہ میں ہم نے خدا اور اس کے رسول کے حکم سے بہت سی کوششیں کرنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو بھی اور مجھے بھی ان کوششوں کو صحیح طور پر اپنی اپنی استعداد کے مطابق کمال تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اے خدا اے رحیم خدا! ہم جانتے ہیں کہ اگر تیرا رحم ہمارے نقص کو دُور نہ کرے، اگر تیری رحیمیت ہماری کوشش کو آخری مقصود تک پہنچانے میں اس کا سہارا نہ بنے تو ساری کوششوں کے باوجود ہم اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ پس ہمارے لئے اپنی رحمت کو جوش میں لا اور ہمیں وہ تمام نعمتیں اور انوار اور برکات وافر طور پر عطا فرما جن کا تعلق تیرے اس پاک ماہِ رمضان سے ہے۔ اَللّٰھُمّ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ 24 اکتوبر صفحہ 2 تا 6 خطبات ناصر جلد دوم صفحہ 961 تا 971)

نذرانہء نعت

صادق باجوہ۔ میری لینڈ

رحمۃ للعالمینؐ کی رحمتوں کا کیا شمار
پُر زباں ہو وِرد سے بھیجیں درود اس پر ہزار

یہ زمین و آسماں جس کے لئے پیدا کئے
ہے بنائے رازِ ہستی بھی اسی سے آشکار

وُسعتِ قلبی کا اس کی کون اندازہ کرے
دُشمنانِ جاں کی خاطر تھیں دعائیں بیشمار

مُحسنِ انسانیت بھی، ضامنِ امن و اماں
عفو و رحم و درگزر کا ایک بحرِ بے کنار

انبیاء کی عزت و ناموس کو قائم کیا
ابرِ باراں کی طرح احسان بے حد و شمار

رِفعتوں پر طبقہءِ نسواں کو بھی فائز کیا
عظمتیں کھوئی ہوئی پائیں، ملا عزّ و وقار

یہ معمّا بھی جہاں سے حل ہوا نہ آجتک
خوں کے پیاسے ہوگئے کیونکر فدائی جاں نثار

وحشیوں کو معرفت میں ڈوبنا سِکھلا دیا
"معنیٔ رازِ نبوت ہے اسی سے آشکار"

تربیتِ اولاد اور اس کے تقاضے

مدثر احمد نقاش نیشنل قائم مقام سیکرٹری تحریک جدید اینڈ وقف جدید

آج مجھے جس اہم اور بنیادی مضمون کے کچھ پہلو بیان کرنے کا موقع مل رہا ہے اس کا عنوان ہے'' تربیتِ اولاد'' ، یہ مضمون اپنے فوائد اور تقاضوں کے لحاظ سے اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ ہر دور کے انسان نے اس مسئلہ پر اپنی اپنی توفیق کے مطابق ہمیشہ منصوبہ بندی کی اور ابتدائے آدم سے قوموں کا تمام تر عروج و زوال اسی سے جڑا ہوا ہے تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ جن قوموں نے خود حق و صداقت کی پہچان حاصل کی اور اپنے اندر پاک روحانی تبدیلی پیدا کرنے کے بعد اپنی اولادوں کی تربیت پر بھی توجہ دی تو ان قوموں کے عروج کا زمانہ بہت دیر تک دنیا میں قائم رہا۔ اور نہ صرف روحانی مرتبے ان کو عطا ہوئے بلکہ دنیا کے ظاہری مال و اسباب کے بھی وہ وارث ٹھہرے، اور پھر جب ان کی اولادوں نے بگڑنا شروع کیا تو ان کے تمام عروج زوال میں تبدیل کر دیئے گئے۔ چنانچہ اگر ہم اپنے قریب کے زمانہ کی تاریخ پر ہی نظر ڈالیں تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بعض سچے نبیوں کی امتوں میں پیدا ہونے والی آئندہ اولادوں نے تربیتِ اولاد کے فقدان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے ہی نبی کے بت بنا کر پوجنے شروع کر دیئے اور کچھ نے اپنے ہی پاک نبی کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا، کسی نے ایک عام بشر کو آسمان پر چڑھا کر شدید دھوکہ کھایا اور کوئی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اپنے ہی پیارے خلیفہ کی گردن کاٹنے کو نکل کھڑا ہوا۔ کہیں اس بگاڑ نے عاشقانِ رسول کی اولاد ہونے کے باوجود نواسہء رسولؐ کی گردن کاٹی اور کہیں عشقِ رسولؐ کے نام پر مومنین کے گھر لوٹے اور معصوم بچوں اور عورتوں کو قتل کیا۔ الغرض یہ موضوع اپنے عظیم تقاضوں کے لحاظ سے تمام والدین کے لیے بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ قبل اس کے کہ میں اس وسیع مضمون کو کچھ آگے بڑھاؤں میں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے محدود وقت کے تناظر میں اس مضمون کا صرف ایک پہلو آپ کے سامنے بیان کرنے کے لیے اس وقت تجویز کیا ہے اور وہ ہے'' تربیتِ اولاد اور دورِ حاضر'' کے تقاضے۔ اگر ہم اپنی سہولت کے لیے اس مضمون کو دو حصوں میں تقسیم کریں تو ایک حصہ تربیت اولاد کے سنہری اصول اور دوسرا تربیت اولاد کے تقاضے کہلاتا ہے، تربیت اولاد کے سنہری اصول میں اولاد کو دینی و دنیاوی تعلیم دینا تقویٰ اور طہارت کا عادی بنانا، بدی سے نفرت اور نیکی سے محبت پیدا کرنا، اچھے اور بُرے کی تمیز پیدا کرنا، جھوٹ، بدنظری، غیبت، اور غصہ سے بچنے کا شعور دینا، اسی طرح پانچ بنیادی اخلاق کا پابند کرنا، باجماعت نمازوں کا پابند، خلافت سے اطاعت و وفا اور نظام جماعت کا اطاعت گزار بنانا شامل ہے، جبکہ دوسرا حصہ ہے تربیت اولاد کے تقاضے، یہ ایسا معاملہ ہے جو ہر دور میں تبدیل ہوتا رہا ہے، یعنی گھوڑے اور خچر کے دور میں تربیت اولاد کے تقاضے کچھ اور تھے، اور بادشاہوں کے زیر سایہ قلعوں کی دیواروں کے اندر زندگی گزارنے والوں کے کچھ اور، ایشیائی ممالک میں بسنے والوں کے لیے یہ تقاضے بہ نسبت مغربی ممالک میں رہنے والوں کے مختلف رہے۔ جبکہ اب میزائیل ٹیکنالوجی، انٹرنیٹ ٹیکنالوجی، خلائی دوڑ، اور موبائل و الیکٹرانکس میڈیا کے ترقی یافتہ دورِ حاضر میں یقیناً تربیت اولاد کے تقاضے تبدیل بھی ہو چکے ہیں اور بے حد وسیع بھی۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ آجکل کا دور مادی دور کہلاتا ہے۔ مال و دولت کی ہوس نے تمام معاشرے کو یرغمال بنا رکھا ہے، ایک طرف دنیا کی آسائشیں، آرام۔ سکون اور چین حاصل کرنے کی پیاس اور دوسری طرف جدید سائنسی ایجادات اور انٹرنیشنل الیکٹرانکس کی بے پناہ ترقی کی دوڑ نے پوری دنیا کو گلوبل ولج بنا دیا ہے۔ دنیا انسان کی ایک مٹھی بلکہ ایک انگلی کے نیچے سمٹ آئی ہے اس عظیم اور بے پناہ ترقی نے جہاں انسان کو ظاہری آسائش و آرام کا وافر موقع عطا کیا وہاں کئی طرح کے خطرات سے بھی دوچار کر دیا ہے، اور جدید سائنسی علوم نے اس سے قبل دنیا کے کئی پرانے نظریات اور فلسفوں کو یا تو سرے سے جھٹلا دیا اور یا تبدیل کر کے رکھ دیا، اور

بہت سے مضامین کی نئے سرے سے تبدیل شدہ تعریفیں سامنے آئیں۔ بہت سے ملکوں میں اٹھنے والی ان بحثوں میں ایک یہ بھی بحث تھی کہ موجودہ دور میں انسان کی سب سے بڑی دنیاوی طاقت ہے کیا؟، چنانچہ ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، زہریلی گیسیں اور تمام جدید جنگی ساز وسامان پر غور کرنے کے بعد ماہرین کی نظر آ کر انٹرنیشنل میڈیا پر رکی اور یہ سمجھا گیا کہ دورِ حاضر کی سب سے بڑی دنیاوی طاقت اس دور کا انٹرنیشنل میڈیا ہے، یہ کسی بھی قوم کو حاکم سے محکوم اور زوال سے عروج پر پہنچانے کی اپنے اندر صلاحیت رکھتا ہے۔ اس میں جہاں انسان کی بھلائی کے بے پناہ پہلو ہیں وہاں قوموں کے اخلاق وخیالات کو تباہ کرنے کے ساتھ ساتھ بچوں کے مزاج پر نہایت گندے اثرات ڈالنے کی بھی بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔ نیز یہ ثابت کیا کہ اس کے ذریعے اگر کسی ترقی یافتہ قوم کے نونہال بچوں کو مفید علوم سیکھنے کی بجائے غیر اخلاقی اور پرتشدد سرگرمیوں کا عادی بنا دیا جائے تو صرف چند سالوں میں اُس ملک، اُس قوم، یا اُس خطے کے تمام وسائل اور ذخائر پر باآسانی قبضہ کیا جاسکتا ہے خاص کر غیر اخلاقی اور پُرتشدد فلمیں بچوں کے لیے زہر قاتل ہیں اور اس کے ظاہری نظارے ہم روزمرہ اپنی زندگیوں میں بھی دیکھتے، پڑھتے اور سنتے ہیں، بچوں پر اور بچوں کی طرف سے نہایت ظالمانہ واقعات کی جو بھیانک تصویر ہمارے ایشیائی ممالک یعنی پاکستان، انڈیا، سری لنکا، بنگلہ دیش، اور افغانستان میں آئے روز نظر آتی ہے اُس کو تو یہاں بیان کرنے کی مجھے ضرورت نہیں آپ میں سے اکثر والدین ان افسوسناک خبروں سے یقیناً واقف ہونگے کہ کس طرح آئے روز معصوم بچے چوریوں، ڈکیتیوں، بے حیائی، حتّٰی کہ اقدامِ قتل اور بالآخر خودکشی تک کے انتہائی قدم تک ملوث ہو جاتے ہیں، پچھلے کچھ عرصہ سے ایشیائی ممالک خاص کر پاکستان وافغانستان میں ان واقعات نے انتہائی شدت اختیار کر لی ہے، جبکہ اس سے ملتا جلتا ماحول مغربی معاشرے میں بھی ہر جگہ ملتا ہے۔ ایک حالیہ تحقیق کے مطابق صرف انگلستان میں پچیس سال سے کم عمر کے پانچ نوجوان ہر ہفتہ میں خودکشی کرتے ہیں۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تمام حادثات جن کا میں نے ذکر کیا ہے کیا وہ کسی ذہنی بیماری کا نتیجہ ہیں یا نفسیاتی الجھنوں کا، ان مسائل کی آخر وجہ کیا ہے اور ان کا حل کیا ہے، اور ان بیماریوں میں سوسائٹی کس حد تک ذمہ دار ہے اور ان بچوں کے جرائم میں والدین اور ان کے گھر کے ماحول کا کس حد تک ہاتھ ہے، دنیا بھر کے سماجی و

نفسیاتی ماہرین ان سوالوں کا جواب ڈھونڈتے رہتے ہیں، تعلیم اور صحت کے ادارے ان بیماریوں کی نشاندہی اور ان کے علاج پر سالانہ کروڑوں ڈالر خرچ کرتے ہیں، سرکاری طور پر بھی بے شمار رپورٹیں شائع ہوتی ہیں، تمام دنیا کا پرنٹ میڈیا اس شیطانی کھیل کا ایک حصہ بن چکا ہے اس میں شراب، نشہ آور اشیاء کا استعمال، بیہودہ اخبارات ورسائل، وڈیو، ٹی وی، اور فلموں میں بے انتہاء تشدد اور مار دھاڑ کا بظاہر دلچسپ مظاہرہ ہوتا ہے، اخلاقی بے راہ روی اور جنسی آزادی کی کھلی تشہیر ہوتی ہے جس سے بچوں اور نوجوانوں کے جنسی احساسات میں اشتعال پسندی آتی ہے اور بربریت اور ہیجان انگیزی کے بیج بوئے جاتے ہیں جو بعد میں بیمار ذہنیت اور مجرمانہ عادات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں ان کی بیخ کنی کے لیے مشرق نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے ہاں صرف مغربی ممالک میں کچھ اقدامات اٹھائے تو جاتے ہیں مگر وہ یہاں کے مادر پدر آزاد معاشرے کے بنائے ہوئے نامکمل اور ناقص ملکی قوانین کا شکار ہو جاتے ہیں، چونکہ ان معاملات میں کچھ سیاسی واقتصادی مفادات، اور کسی حد تک مذہبی اعتقادات پر بھی حملہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اس لیے یہ تمام ادارے بچوں کی ان بیماریوں کے صرف ظاہری اور سطحی اسباب پر غور کرتے ہیں اور ان کے اندرونی اصل محرکات تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی جاتی، اسی لیے اب تو دنیا کے کئی تحقیق کرنے والے ادارے مایوس ہو چکے ہیں، جماعت احمدیہ کے افراد اور بچے بھی چونکہ اسی معاشرے کا حصہ ہیں اور وہی دل ودماغ رکھتے ہیں جو انسانی کمزوریوں کی آماجگاہ ہے اس لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ بعض احمدی افراد اور بچے ان بیماریوں سے متاثر نہ ہوں اور ان کے دل ودماغ ان برے اثرات کو قبول نہ کریں۔ خاص کر یورپ اور امریکہ میں جہاں مادہ پرستی اور مادر پدر آزاد زندگی گزارنے کی عادت پڑ چکی ہے اور جہاں اخلاقی قدریں خودغرضی تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں اس لیے تربیت اولاد کے وہ تقاضے جو ہمیں پورے کرنے ہیں ہمارے لیے بے حد اہمیت کے حامل ہو چکے ہیں الحمدللہ کہ اب بھی جماعت احمدیہ کی اکثریت اپنے ایمان کی حفاظت کرتے ہوئے تقویٰ کی راہوں پہ گامزن ہے اور اسلامی شعار اور جماعتی روایات کی پابند ہے البتہ کبھی کبھار کچھ افسوسناک واقعات ایسے ضرور سامنے آ جاتے ہیں جن سے نہ صرف متعلقہ احمدی خاندانوں کو شدید نقصان پہنچتا ہے بلکہ جماعت کے اعلیٰ وقار کو بھی ٹھیس پہنچتی ہے۔ ان واقعات سے متعلق جماعتی تحقیق پر یہ بات سامنے آئی ہے

کہ ان کے پیچھے تربیتِ اولاد کا شدید فقدان اور والدین کا خود بھی ان بیماریوں میں مبتلا ہونا تھا نیز مغربی تمدن اور غیر اسلامی طریقہء زندگی کا رعب ان کو احساس محرومی میں مبتلا کرتا تھا، خاص کر مغرب میں رہنے والے ایشیائی و مسلم لوگوں نے سمجھا کہ مغربی معاشرہ دنیاوی طور پر چونکہ ہم سے بہت ایڈوانس ہے اس لیے ایک احساسِ محرومی میں مبتلا ہو کر انہوں نے اپنے دینی و روحانی عقائد کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان کی نقل اتارنی شروع کر دی اور مغربی قوموں کی برابری کرنے اور ترقی پانے کے لیے صرف اعلیٰ تعلیم اور دنیاوی مال و دولت حاصل کرنا ہی کافی ہے چنانچہ وہ بچوں پر زور دیتے ہیں کہ وہ ایسی تعلیم حاصل کریں کہ جن سے ان کی مالی اور معاشرتی پریشانیاں دور ہوں اور ان کی مالی حیثیت بہت بلند نظر آئے اس لحاظ سے بچوں پر دباؤ بھی ڈالا جاتا ہے کہ فلاں فلاں فیلڈ اپناؤ تو تمہیں اچھی ملازمت ملے گی اور اس کے ساتھ ان کی شادی کے بارے میں خوشحال گھرانے تلاش کئے جاتے ہیں جہاں سے زیادہ جہیز ملنے کی امید ہو، یہ والدین خود جتنے بھی نیک اور پارسا ہوں وہ اس غلط سوچ کو اپنے بچوں کی طرف منتقل کر رہے ہوتے ہیں اور اپنی اولاد کو تباہی کے راستوں پہ ڈالتے ہیں جو یقیناً اخلاقی اور روحانی تنزل کا راستہ ہے، میں نے تباہ حال اولاد کے موجودہ دور میں ہونے والے غیر اخلاقی وغیر شرعی جن واقعات وحادثات کا اوپر ذکر کیا ہے وہ اچانک کسی غلط فیصلے یا خیال سے وقوع پذیر نہیں ہوتے بلکہ ان کے پیچھے والدین کی بے حسی یا بے بسی کی ایک لمبی داستان ہوتی ہے اور اس کا تعلق اولاد کی بچپن سے عادتوں کو بگاڑنے سے ہوتا ہے جو والدین کی نظروں کے عین سامنے اور ان کے ناک کے نیچے ہو رہا ہوتا ہے۔ان کی نظروں کے سامنے ان کی اولاد کی طرز زندگی، ان کا پہننا اوڑھنا، ان کا رہن سہن اور ان کی دلچسپیاں مغربی معاشرے کی نقالی میں شامل ہو رہی ہوتی ہیں جب بچے گلے میں سونے کی زنجیریں لٹکاتے ہیں یا کانوں میں بُندے سجاتے ہیں یا عورتوں کی طرح لمبے بال رکھتے ہیں تو اسے فیشن سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، جب بچے یا بچیاں اپنے کمروں میں مقبول پاپ یا فلم سٹار کی تصویریں آویزاں کرتے ہیں یا گھروں میں پاپ میوزک، برتھ ڈے پارٹیاں یا نیو ائیر نائٹ کی پارٹیاں منعقد ہوتی ہیں تو والدین کی طرف سے کسی قسم کے رنج کسی قسم کے فکر کا اظہار نہیں کیا جاتا، لڑکوں کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اپنی گرل فرینڈ کو گھروں میں مدعو کریں اور پھر ان کی خوب خاطر و مدارات کی جاتی ہے اسی طرح لڑکیاں بھی اپنے پر پرزے نکال رہی ہوتی ہیں اور انکے بن ٹھن کر باہر نکلنے یا گھر میں آنے جانے کے اوقات پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں لگائی جاتی، والدین یہ سب صاف دیکھ رہے ہوتے ہیں اور جان بوجھ کر نظر انداز کر رہے ہوتے ہیں اور اس بے جا آزادی کو مغربی طرز معاشرت کا حصہ تصور کیا جاتا ہے، اس بھیانک تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے وہ یہ کہ کئی والدین اپنے بچوں کی زندگیوں میں حد سے زیادہ دخل دیتے ہیں نہ صرف ان پر زبان درازی کرتے ہیں بلکہ جسمانی سختی سے بھی گریز نہیں کرتے، بات بات پر ان کو ٹوکا جاتا ہے دوسروں کے سامنے انہیں ذلیل کیا جاتا ہے اور جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو ان کی ازدواجی زندگی کو بھی اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس کا نتیجہ بھی اسی طرح دردناک بھیانک ہوتا ہے کیونکہ سارا خاندان بے سکون اور بے چینی میں مبتلا ہوتا ہے ان دونوں حالات میں نہ صرف بچوں کی بلکہ والدین کی بھی زندگیاں عذاب بن جاتی ہیں اس صورت حال کو قرآن پاک کی زبان میں قتلِ اولاد کہا گیا ہے۔اس المناک اور خوفناک حالات سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآن پاک کے ان سنہری اصولوں کی طرف ابتداء سے ہی توجہ دیں جو اللہ تعالیٰ نے بچوں کی تربیت اور اصلاح کے لیے بیان کیے ہیں اور جن سے ہم اپنی زندگیوں کو اور اپنی اولاد کو نفسیاتی الجھنوں اور معاشرتی کمزوریوں سے محفوظ کر سکیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ ”اے مومنو تم اپنے آپ کو اور اپنی بیوی بچوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے مقدس ارشادات میں تربیت اولاد کے ضمن میں والدین کی عظیم ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی ہے، سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کی مبارک تحریرات میں بھی تربیت اولاد کے متعلق زرّیں ارشادات ملتے ہیں اور جن میں ایسے طریقوں کی نشاندہی کی گئی ہے، جن کو بروئے کار لا کر اس فرض کو احسن رنگ میں سرانجام دیا جا سکتا ہے احمدی بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کسی نئے لائحہ عمل یا پروگرام بنانے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے بلکہ ان کی نشوونما کے لیے خلیفہء وقت کی طرف سے جدید تقاضوں کے تحت ہدایات مسلسل موصول ہوتی رہتی ہیں اور نظام جماعت یہ فرائض سرانجام دیتا رہتا ہے قرآن پاک میں اولاد کی تربیت اور نشوونما جس کی تشریح حضرت اقدس محمد ﷺ کے اقوال اور ان کی سنت سے ملتی ہے اس کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ تربیت کا کوئی ضابطہ اس وقت تک مکمل یا مؤثر نہیں ہو سکتا جب تک اس کا تعلق ہستی

باری تعالیٰ سے نہ ہو اور تمام اخلاقی اقدار رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے قائم نہ ہوں لہٰذا تربیت اولاد کا پہلا سنہری تقاضا یہی ہے کہ اولاد کے دین کے قلعوں کو مضبوط کیا جائے اور ان کے ایمان کی فصیلوں کو بلند کیا جائے تا کہ وہ بیرونی مضر اثرات سے محفوظ رہ سکیں حفاظت کی یہ کوشش بچوں کی پیدائش سے قبل شروع ہو جانی چاہیئے اور ان کی دینی اخلاقی اور آداب کی تعلیم بچپن سے شروع ہو جانی چاہیے یہ کوشش صرف اس صورت میں کامیاب ہوسکتی ہے کہ اگر ماں باپ دونوں اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے ہوں اور ان کے گھروں کا ماحول اسلامی معاشرے کا نمونہ ہو اور اپنی دردانگیز دعاؤں کے ساتھ بچپن میں اپنی اولاد کی انگلی خدا کے ہاتھ میں تھمانے والے ہوں، کیونکہ تربیت اولاد کے تمام تقاضے اللہ کی مدد کے بغیر ہرگز ہرگز کسی آدمی کے بس میں نہیں یہ ایک پُل صراط ہے۔ سو یہ تبھی ممکن ہے کہ جب خود اللہ تعالیٰ سے کامل تعلق ہو، اگر والدین صرف ظاہری طور پر اللہ کا نام لیتے ہیں اور حقیقتاً اللہ کو بھلا بیٹھے ہیں تو وہ دیکھیں گے کہ ان کی اولاد آگے جا کر خدا کو بھلانے والی ہوگی اور اس پر ان کا کوئی بس نہیں چلے گا اگر والدین خودغرض اور دنیادار بن چکے ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دلوں اور اپنے گھروں سے خارج کر دیا ہے تو عملی طور پر وہ اپنی اولاد کو شیطانیت کے حوالے کر بیٹھے ہیں اور انہیں جہنم کی آگ میں دھکیل رہے ہیں۔ قدرتی طور پر تمام والدین کو صالح اور نیک اولاد کی تمنا ہوتی ہے مگر اس کے لیے گھر کا ماحول بھی صالح بنانا پڑتا ہے یہ کس طرح ممکن ہو کہ گھروں کو تو آگ لگ چکی ہو ازدواجی زندگی منتشر ہو اور میاں بیوی کے آپس کے تعلقات کشیدہ ہوں، گھروں میں فحش فلمیں چل رہی ہوں، اور نظام خلافت و نظام جماعت سے تعلق ٹوٹ چکا ہو، جہاں والدین اپنے چندوں کی ادائیگی سے گریز کرنے والے ہوں جہاں ذاتی فائدے حاصل کرنے کے لیے حکومتوں سے مثلاً الاؤنس لینے یا ٹیکس ادا کرنے میں جھوٹ سے کام لیا جا رہا ہو، یہ ممکن ہی نہیں کہ وہاں صالح یا نیک اولاد پرورش پائے۔ تربیت اولاد کا بہت بڑا تعلق توجہ سے بھی ہے یعنی بچوں کو وقت دینا ان پر نظر رکھنا کہ ان کی دوستی و صحبت اور پسندیدہ شخصیات کون کون سی ہیں اور آؤٹ ڈور حرکات پر نگاہ رکھنا خاص کر مائیں اپنی بچیوں کے احساسات اور جذبات کو سمجھنے اور جاننے کی کوشش کریں، ان کا اپنی اولاد سے دوستانہ تعلق ہو اور بوقتِ ضرورت وہ اولاد کو مشورہ دینے کی اہلیت رکھتے ہوں، پھر دورِ حاضر کی گھریلو ایجادات کے مثبت اور منفی اثرات کا علم بھی والدین کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اگر بچوں کے پاس موبائل ہونا ضروری ہے تو پھر اس کے استعمال پر نظر رکھنی بھی اس سے زیادہ ضروری ہے۔ آجکل کی سب سے اہم ایجاد جو بچوں اور خاص کر بچیوں کے لیے نہایت حساس ہے وہ انٹرنیٹ ہے۔ جس گھر میں بچہ یا بچی انٹرنیٹ کا استعمال کرتی ہے تو اس کے بھی چند اہم پہلو والدین کو مدِّنظر رکھنے بہت ضروری ہیں جس کی طرف جماعت بارہا توجہ دلا چکی ہے مثلاً انٹرنیٹ کے لیے استعمال ہونے والا لیپ ٹاپ یا کمپیوٹر ان بچوں کے پرسنل کمروں کی بجائے ڈرائنگ روم یا کامن روم میں رکھا جائے اور کمپیوٹر کی سکرین کا رخ ایسی طرف ہو کہ ہر کوئی اس کے ویو کو دیکھ سکے۔ اسی طرح رات کو دیر تک بغیر کسی معقول وجہ کے بچے انٹرنیٹ پر نہ بیٹھیں۔ نیز فلموں، ڈراموں اور ڈی وی ڈی دیکھنے کی طرف بچے زیادہ مائل نہ ہوں، یہاں ضمناً میں اس بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ بعض گھرانے بعض فلموں اور ڈراموں کی مرکزی کہانی کو سبق آموز سمجھتے ہوئے انہیں اچھی فلموں یا اچھے ڈراموں کا نام دے دیتے ہیں جو کہ سراسر غلط اور ایک دھوکہ ہے، اس بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا ارشاد میں اپنے الفاظ میں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ برائی کے اندر سے نیکی نہیں نکل سکتی، چونکہ ان فلموں اور ڈراموں میں تمام کردار جھوٹے ہوتے ہیں ان میں ایکٹرز کے نام، ان کے تمام رشتے اور کردار وغیرہ سب جھوٹے ہوتے ہیں اس لیے اس جھوٹ میں سے معاشرے کی اصلاح ممکن ہی نہیں اور معاشرہ اس اصلاح کو قبول ہی نہیں کرتا ہاں ان کے منفی اثرات معاشرے پر بہت بری طرح اثرانداز ہوتے ہیں جن کا شروع میں میں نے ذکر کیا ہے، اسی مسئلہ کو ایک حدیث میں آنحضرتؐ نے کچھ یوں فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ شیطان لوگوں کو جہنم کی طرف بلائے گا اور لوگ خوشی سے دوڑتے ہوئے اس کی طرف چلے جائیں گے، صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیسے ہوگا کہ لوگوں کو معلوم بھی ہوگا کہ شیطان دوزخ کی طرف بلا رہا ہے اور پھر بھی وہ اس کے پیچھے چلے جائیں گے، آپؐ نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہوگا، اس حدیث کی روشنی میں اگر ہم آجکل کے حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بالکل ایسے ہی ہے، آجکل کے الیکٹرانک میڈیا کے بارے میں کسے معلوم نہیں کہ اس وقت اس کا اکثر استعمال جہنم کی آگ کی طرف بلانے کے لیے ہو رہا ہے اور دنیا کے ہزار ہا ٹی وی چینلز شیطان کی سرپرستی میں لوگوں کو آگ کی طرف دھکیل رہے ہیں جبکہ لوگوں کی اکثریت اس کا علم رکھتے

ہوئے بھی اس فتنے کا شکار ہے، اسی لیے معاشرے میں آئے روز پُر تشدد واقعات کی شرح اور بے چینی میں بے حد اضافہ ہو رہا ہے۔ شیطان کے اس ذلیل حربہ کو ناکام کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسی میڈیا کو MTA کے رنگ میں جاری فرما دیا ہے جو اب پوری طاقت سے پوری دنیا میں دوبارہ انسانوں کو جہنم کی آگ سے باہر نکالنے کا کام کر رہا ہے، اس لیے اپنی اولادوں کو اس الٰہی آفر سے فائدہ اٹھانے کا عادی بنانا ہمارا کام ہے۔

آج اگر ہم جماعت احمدیہ کی پچھلی ساری تاریخ کو موجودہ عالمی ترقی اور فتوحات کے ساتھ ملا کر جائزہ لیں تو یہ بات یقیناً ثابت ہو جاتی ہے کہ جماعت کے مستقبل کو کسی عالمی تنظیم، کسی ملک کی نیشنل اسمبلی، یا کسی فوج کے فرعون نما جرنیل سے کوئی خطرہ نہیں لیکن ہماری آئندہ اولادوں کی تعلیم و تربیت ہمارے لیے بہت بڑا چیلنج ضرور ہے، کیونکہ ہمارے کندھوں پر اپنی جن اولادوں کی پاک تربیت کرنے کی ذمہ داری ہے انہوں نے انشاء اللہ ساری دنیا کی آئندہ نسلوں کی تربیت کرنی ہے، یقیناً ہم نے ہی مشرق کی بھٹکی ہوئی روحوں کو اصل اسلام کی طرف لانا ہے، اور ہم نے ہی مغرب کے باسیوں کو توحید کے جھنڈے تلے جمع کرنا ہے۔ ہم نے جزائر کے باشندوں کو قرآن کی تفسیر پڑھانی ہے تو ہم نے ہی امریکہ کے انسانوں کو انسانیت کے درس دینے ہیں، آسٹریلیا کے میدانوں میں اذان ہم نے دینی ہے تو افریقہ کے برِاعظم کو علم کے نور سے منور بھی ہم نے کرنا ہے الغرض ہم نے پوری دنیا کو نفرت کی آگ اور خودغرضی کی دلدل سے نکال کر محبت اور پیار کے ساتھ ایک خلافت کے سائے میں توحید کے نقطے پر جمع ہم نے کرنا ہے، یہ وہ حقائق ہیں جنہوں نے ہونا ہی ہونا ہے یہ خدا کا ایک اٹل فیصلہ ہے جس کو دنیا کی کوئی طاقت بدل نہیں سکتی۔ ہم نے اپنی اولادوں کو اس صحابیِ رسولؐ کی طرح یہ باور کرانا ہے کہ جن کا واقعہ تاریخ اسلام میں سنہری الفاظ کے ساتھ کچھ یوں لکھا ہے کہ:

''ایک جنگ کے آخر میں چند زخمیوں کی مدد کرنے کے لیے کچھ مسلمان نوجوان وہاں پہنچے اور انہوں نے میدان جنگ میں یہ آواز دی کہ ہے کوئی زخمی جسے مدد کی ضرورت ہے تو کوئی جواب موصول نہ ہوا، دوسری دفعہ اور پھر تیسری دفعہ پکارنے پر دور ایک زخمی صحابی کے ہاتھ نے کچھ حرکت کی تو اس کی مدد کے لیے وہ لوگ اس کی طرف دوڑے، جب قریب پہنچے تو اس زخمی نے شہید ہونے سے قبل انہیں مخاطب کر کے ایک پیغام دیا کہ دیکھو جب تک ہم زندہ تھے ہم نے اس دین اور اس رسولؐ کی حفاظت کی اور اب ہم یہ عظیم ذمہ داری تمہارے سپرد کر کے اللہ تعالیٰ کے پاس جا رہے ہیں، اس لیے اس کی حفاظت کرنا، اور اپنی جان سے بڑھ کر اس کی قدر کرنا۔''

تربیت اولاد کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایک بہت پیاری دعا ہمیں سکھائی ہے، '' **رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ و من ذریتی ۔۔۔** یعنی اے میرے ربّ مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنا'' اس دعا کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بیان کرتے ہیں کہ یہ حیرت انگیز مضمون ہے ایک سات سال کا بچہ جب نماز پر کھڑا ہوتا ہے تو یہ دعا پڑھتا ہے کہ میری اولاد کو بھی نماز کا پابند بنا۔ دراصل اس بات میں بھی تربیت اولاد کے پہلو کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بچوں سے محبت اور پیار کرنے کا بارہا ارشاد فرمایا اور خود بھی پوری زندگی اس پر کاربند رہے، اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ نے بھی ہمیشہ بچوں سے پیار اور شفقت کرنے کی تلقین کی ہے اور خلفائے احمدیت نے بھی اس تسلسل کو جاری رکھا اور جماعت کی اس حساس اور اہم مسئلے کی طرف رہنمائی کرتے رہے۔ میں اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے چند ارشادات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں، حضور 20 جنوری 1995ء کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''سب سے اہم نکتہ تربیت کا جو آپ کو یاد رکھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ اللہ سے سچا پیار رکھیں اور خدا کے پیار کے برعکس کوئی رعب اپنے دل پر نہ پڑنے دیں''

حضور اسی خطبہ میں مزید فرماتے ہیں کہ ایک لمبے عرصے سے مجھے اس بات میں دلچسپی رہی ہے کہ بعض نیک لوگوں کے ہاں ایسے بچے کیوں نکل آتے ہیں جوان کے مزاج کے برعکس مزاج لے کر پلتے ہیں اور ان کی دلچسپیوں کو چھوڑ کر الگ دلچسپیوں میں متوجہ رہتے ہیں، ان کے دائرے بدل جاتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل بچپن ہی سے جب ماں باپ ان کی دلچسپیوں کے رخ بدلتے ہوئے دیکھتے ہیں تو خود ان سے مرعوب ہوتے ہیں اور اس بات کا حوصلہ اور اعتماد نہیں رکھتے کہ اپنے بچوں کو بتائیں کہ یہ تمہارے رجحانات غلط ہیں یہ ادنیٰ ہیں اور اعلیٰ اقدار سے ہٹ کر تم گھٹیا چیزوں کو اپنا رہے ہو ان کو حوصلہ نہیں ہوتا کہ اپنے بچے کو کہیں کہ یہ تم نے کس طرح کے پاجامے پہننے شروع کر دیئے ہیں یہ کس قسم کے گلوں میں ہار ڈال لیے ہیں بالوں کا

رخ کیا بنا رہے ہو، پاگل ہو گئے ہو یہ کیسی بدذوقی کی باتیں ہیں جو تم کر رہے ہو، یہ کہنے کی ان کی ہمت ہی نہیں ہوتی ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی لڑکیاں پر پُرزے نکال رہی ہوتی ہیں وہ تنگ جینز پہن رہی ہیں بالوں کے حلیے بگاڑ رہی ہیں اپنی مرضی سے جہاں چاہیں چلی جاتی ہیں ماں باپ کو یہ حوصلہ ہی نہیں کہ ان کو سمجھا سکیں۔ دراصل وہ پہلے ہی خدا کو بھلا بیٹھے ہیں اگر انہوں نے خدا کو نہ بھلایا ہوتا تو ناممکن تھا کہ اس قسم کے بچوں کو اپنے گھر میں بے روک ٹوک پلنے دیتے، یعنی یہ اس قرآنی فیصلے کے مصداق بن جاتے ہیں کہ ''تم نے اگر حقیقتاً خدا کو بھلا دیا خواہ ظاہری طور پر اس کی ذات سے تم پیوستہ ہی رہے تو تم دیکھو گے کہ تمہاری اولاد آگے خدا کو بھلانے والی ہو جائے گی اور اس پر تمہارا کوئی بس نہیں چلے گا۔'' حضور مزید فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ والدین کی طرف سے اطلاع ملتی ہے کہ آپ کو تکلیف تو ہوگی مگر میں مجبور ہوں بے اختیار ہوں میری بیٹی نے ایک عیسائی سے شادی کر لی ہے، میری بیٹی فلاں شخص کے ساتھ آمادہ ہو گئی ہے، کوئی سکھ کے پاس جا رہی ہے، کوئی ہندو کے پاس چلی گئی ہے۔ یہ واقعات جماعت میں بہت شاذ ہیں لیکن ایک سفید چادر پر داغ ہیں اس لیے نظروں کو بہت تکلیف دیتے ہیں، اس کے بعد ان والدین کا یہ لکھنا کہ ہم بے بس ہیں بے اختیار ہیں ہمارا کوئی قصور نہیں ہمیں معاف کیا جائے۔ ان کو میں لکھتا ہوں کہ معافی مجھ سے کیا مانگتے ہو یہ تو اللہ سے معافی مانگنے والی باتیں ہیں۔ نظام جماعت تو اصل ذمہ دار کے علاوہ تمہیں کوئی سزا نہیں دے گا لیکن قانون قدرت جو تمہیں سزا دے گا اس کی معافی خدا سے مانگو۔ بہت دیر کے بعد ان ماں باپ کو سمجھ آتی ہے کہ ہم نے شروع میں خدا کو بھلائے رکھا تھا کیونکہ ایسے بچے ایک دن میں نہیں بنا کرتے۔ میں اس مضمون کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے اقتباس پر ختم کروں گا۔

حضور 20 جنوری 1995 کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت اماں جان صاحبہؓ نے حضرت مسیح موعودؑ کے وصال کے بعد جو سب سے پہلی بات اپنی اولاد کو اکٹھا کر کے کہی تھی بڑی قیمتی بات ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ کس طرح آپ کو حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی دعاؤں پر گہرا ایمان تھا اور مسیح موعودؑ کی صداقت کے ثبوت کے طور پر ایک عظیم ثبوت ہے۔ جب حضرت مسیح موعودؑ کا وصال ہوا تو ظاہری طور پر دنیا کے لحاظ سے وہ گھر خالی تھا، حضرت اماں جانؓ نے بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا دیکھو بچو تمہیں دنیا کے لحاظ سے کچھ دکھائی نہیں دے گا۔ مگر یہ گمان نہ کرنا کہ تمہارے باپ نے تمہارے لیے پیچھے کچھ نہیں چھوڑا وہ دعاؤں کا ایسا خزانہ چھوڑ کر گیا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا تمہیں بھی ملے گا اور تمہاری اولادوں کو اور ان کی اولادوں کو اور ان کی اولادوں کو ملتا چلا جائے گا، یہ لامتناہی خزانہ ہے جو کبھی کسی باپ نے ایسا خزانہ کم ہی چھوڑا ہوگا جیسا تمہارے باپ نے تمہارے لیے چھوڑا ہے۔ دیکھو کیسی عظیم بات تھی اور کتنی سچی بات تھی اس سے بڑا سہارا مل نہیں سکتا تھا مگر وہ نظر آنے والا خزانہ تو نہیں تھا۔ لیکن ایمان کی دولت سے ایمان کی آنکھ سے دکھائی دے رہا تھا ان کو جانتے تھے کہ یہ بات سچی ہے اور آج ہم نے دیکھا کہ یہ بات سچی نکلی اور ہماری نسلیں بھی دیکھیں گی کہ یہ بات سچی نکلی لیکن اس خزانے کے مالک سے تعلق نہیں توڑنا جس نے یہ خزانہ عطا کیا کیونکہ وہی اصل ضمانت ہے۔ وہ لوگ جن کی نظریں خزانوں پہ ٹھہر جاتی ہیں اور خزانہ دینے والوں سے تعلق توڑ لیتے ہیں پھر آئندہ ان کی نسلوں کی کوئی ضمانت نہیں ہوا کرتی۔ پس اپنی نسلوں پہ رحم کریں جو آپ کی آنکھوں کے بند ہونے کے بعد پھر اس دنیا میں کئی قسم کی ضرورتوں میں محتاج رہیں گی۔ کئی قسم کی مصیبتوں میں ان کو سہاروں کی ضرورت پڑے گی۔ ان نسلوں کی طرف توجہ کریں جو قیامت تک آپ کی نسلوں سے پیدا ہونے والی ہیں۔ پس کوشش سے بھی اور دعاؤں کے ذریعے بھی اللہ کی محبت کے بندھن میں اپنے آپ کو جکڑتے ہوئے وہ دعاؤں کے بندھن تعمیر کریں جو نظر تو نہیں آتے مگر دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتوں کو بھی وہ لپیٹ سکتے ہیں اور ان کے دائرے سے نکل کر باہر جانے کی کسی کو استطاعت نصیب نہیں ہو سکتی۔ ان رسوں سے جکڑ کر اپنی اولادوں کو سچے رستوں پر قائم کریں یہی ان کی حفاظت کا بہترین سامان ہے جو آپ کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

شکریہ احباب

میرے عم زاد برادرم چودھری مبارک مصلح الدین محمد صاحب وکیل التعلیم تحریک جدید کی وفات حسرت آیات پر ہمیں متعدد احباب جماعت کی طرف سے مختلف وسیلوں سے تعزیت اور ہمدردی کے پیغامات موصول ہوئے ہیں۔ فجزاھم اللہ خیرا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم ومغفور کو اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹ لے اور اپنے کرم سے اعلیٰ علیّین میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

مزید برآں چودھری صاحب محترم کے حالاتِ زندگی مرتب کئے جا رہے ہیں۔ انہوں نے ایک عرصہ سلسلہ کی خدمت میں گزارا۔ احباب جماعت سے گزارش ہے کہ اپنے اپنے تاثرات، واقعات ونگارشات ارسال فرما کر ممنون فرمائیں، رابطہ

محمد ادریس چودھری
2201 Flening Street
Valdosta, Georgia 31602 2544
Chaudhryidris@yahoo.com
Ph.: 229-244-9516

خُدا شناسی اور خُدا نُمائی کا مہینہ۔رمضان المبارک

لطف الرحمٰن محمود

خُدا شناسی اور خُدا نُمائی کی منزلیں

عالم لوگ سمجھتے ہیں کہ خُدا شناسی اور خُدا نمائی آسان کام ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ تعلق باللہ کی یہ عظیم الشان منزلیں دراصل نہایت مشکل مُہمّات ہیں اُنہیں سرکرنے کا ہر مرحلہ پہلے مرحلے سے زیادہ مشکل ہے اور ہر موڑ پر زیادہ ہمّت اور محنت کی ضرورت پڑتی ہے۔

خداشناسی سے اپنے خالق و مالک اور مُحسن و مہربان آقا کی پہچان مراد ہے۔اگر یہ اتنا ہی آسان کام ہوتا تو علم سے آراستہ، ترقی یافتہ اور مُہذّب دنیا میں، اپنی دہریت پہ فخر کرنے والے نادان اور بے بصیرت لوگ نہ پائے جاتے۔کئی سائنس دان، دانش ور، محقق اور دیگر مشاہیر اس بھیڑ میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

خداشناسی کوئی نصابی یا کتابی چیز نہیں ہے۔اگر اسے کسی بستی کی آبادکاری سے تشبیہ دی جائے تو پھر یہ بستی بستے بستے بستی ہے۔خُدا شناسی کے بھی کئی مرحلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان، صفاتِ الٰہیہ کا ادراک، اللہ تعالیٰ کے ان اسماء یعنی صفات کا کامل استحسان، صفاتِ الٰہیہ کے نُور سے انسانی سطح پر شخصیت کو صیقل کرنا، اور پھر اجتماعی طور پر انسانی معاشرے میں ان صفات کا وُرود اور ظہور۔خدانمائی تو خداشناسی سے بھی بڑھ کر مشکل کام ہے۔خدانمائی کا تعلق اس کیفیت سے ہے جب اللہ تعالیٰ کے کسی ولی اور متقی بندے کو دیکھ کر آپ کو دیکھ کر خُدا یاد آ جائے۔حقیقی خداشناس انسان خُدا نما وجود بن جاتا ہے۔حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت نبی کریم ﷺ کی نبوت ورسالت کے درج ذیل چار معجزات وکمالات کا ذکر فرمایا ہے:

1۔حضور ﷺ کے مشن کی کامیاب تکمیل
2۔صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں پاک تبدیلی
3۔حضور ﷺ کے چشمہءِ فیض کا تاابد جاری رہنا
4۔حضرت نبی کریم ﷺ کو اُمّتیوں کی طرف سے مسلسل درود وسلام

کے تحفوں کی ترسیل، اس فہرست میں مذکور، دوسرے معجزے کا حضورؑ نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

’’دوسرا معجزہ تبدیلیٔ اخلاق ہے کہ یا تو وہ (صحابہ کرام قبل از قبول اسلام۔ناقل) اُولٰٓئِکَ کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ھُمۡ اَضَلّ چارپایوں سے بھی بدتر تھے یا یَبِیۡتُوۡنَ لِرَبِّھِمۡ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا رات دن نمازوں میں گزارنے والے ہوگئے،‘‘

(ملفوظات جلد نہم، صفحہ266ایڈیشن1984)

حضرت نبی کریم ﷺ کے فیض تربیت سے صحابہ کرامؓ مثالی خُدا نُما وجود بن گئے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ادراک کے بعد، محبتِ الٰہی میں محو ہوکر، دین کے عالم اور عامل بن گئے، حتّٰی کہ تخلقوا باخلاق اللہ کے مصداق ٹھہرے اور آخرکار خدانما وجودوں میں ڈھل گئے۔ایسے ہی مبارک انسانوں کیلئے کہا جاتا ہے کہ خُدا اُن کے ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ کام کاج کرتے ہیں اور ان کے پاؤں بن جاتا ہے جس سے وہ چلتے ہیں۔

ابتلاؤں میں استقامت، جوفوق الکرامت استعداد ہے، خداشناسی سے خدانمائی کے سفر میں مدومعاون ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں فرشتوں کا نزول تائیدِ الٰہی کے ثبوت کے طور پر شامل حال ہوجاتا ہے۔ لَھُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا (سورۃ یونس آیت65)۔یہی مفہوم ایک اور آیہءِ کریمہ میں موجود ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡھِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ (سورۃ حٰمٓ السجدۃ آیت31)

اس مقصد کے حصول کیلئے صحبتِ صالحین وکاملین بھی اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔قرآن کریم اور احادیث میں بھی اس کی تاکید موجود ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک مقام پر تحریر فرمایا ہے:

وَلَا یَشۡقٰی جلیس اولیاء الجناب۔ ولو کان کالدوّاب

(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد20صفحہ85ایڈیشن 1984)

یعنی اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھنے والا کبھی بدنصیب نہیں رہتا خواہ وہ بظاہر حیوانوں کی طرح ہو۔آہستہ آہستہ اس میں نیک صحبت کی تاثیر اثر مرتب کر لیتی ہے۔اس حوالے سے انکسار کی صفت بھی نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے۔حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ نے خداشناسی اور خدانمائی کیلئے ’’خدا کی بادشاہت‘‘ میں داخل ہونے کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس حوالے سے ایک مقام پر بات کی ہے اور ’’خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے والوں کی‘‘ ایک علامت بیان فرمائی ہے۔حضورؑ فرماتے ہیں:

’’انسان جب تک ایک غریب اور بیکس بُڑھیا کے ساتھ وہ اخلاق نہ برتے جو ایک اعلیٰ نسب عالی جاہ انسان کے ساتھ برتتا ہے یا برتنے چاہئیں اور ہر طرح کے غرور و کبر سے اپنے آپ کو نہ بچاوے وہ ہرگز ہرگز خدا تعالیٰ کی بادشاہت میں داخل نہیں ہوسکتا۔‘‘

(ملفوظات جلد5صفحہ438ایڈیشن1984)

رمضان المبارک کی فضیلت اور افادیت

قرآن کریم میں یہ ارشادِ ربانی موجود ہے کہ خالقِ کائنات کے نزدیک ایک سال کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ان میں سے چار حُرمت والے مہینے کہلاتے ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، مُحرّم اور رجب۔پہلے تین موسم حج کے مہینے ہیں۔رجب اسلامی تقویم کا ساتواں مہینہ ہے۔ان مہینوں کو یہ حرمت زمانہء جاہلیت سے حاصل تھی اور اسلام نے بھی اس تقدس کو برقرار رکھا۔ماہِ محرم کی دسویں تاریخ (یوم عاشور) یہود کیلئے خاص دن تھا۔اس دن بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی تھی۔یہود یوم عاشور کو روزہ رکھا کرتے تھے۔حضرت نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو یہود کے اس روزے کا علم ہوا۔حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو یہ روزہ رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ دینِ موسوی کے ایسے احکامات پر عمل کرنے کا ہمیں زیادہ حق حاصل ہے۔جب ڈیڑھ سال بعد، 2 ہجری میں رمضان کے روزے فرض قرار پائے تو حضرت نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کو صیامِ رمضان کے اہتمام کا حکم دیا۔اور یومِ عاشور کے روزے کے بارے میں فرمایا کہ اگر کوئی رکھنا چاہے تو اُسے بھی رکھ سکتا ہے۔حضرت نبی کریم ﷺ نفلی روزوں کا بھی اہتمام فرماتے تھے۔یوم عاشور کے روزے کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ہر ماہ قمری مہینے کی 13،14 اور 15 تاریخ کو روزہ رکھتے اور صحابہ کرام کو بھی تلقین فرماتے۔یہ روزے ’’ایّام بیض‘‘ کے روزے کہلاتے ہیں۔وقوفِ عرفات یعنی 9 ذوالحجہ کا روزہ، پندرھویں شعبان کا روزہ اور ماہِ شوال کے 6 روزوں کا ذکر بھی کتب احادیث میں ملتا ہے۔

روزوں کی فرضیت اور دیگر خصوصیات کی وجہ سے رمضان المبارک کی اہمیت نمایاں ہے۔غالباً اسی وجہ سے اسے ’’سیّد الشھور‘‘ یعنی مہینوں کا سردار کہہ کر یاد کیا گیا ہے۔اس کے اور بھی کئی نام مشہور ہیں مثلاً نزولِ قرآن کا مہینہ، رمضان المبارک کے آخری عشرے کی کسی طاق رات میں غارِ حرا میں سورۃ العلق کی ابتدائی آیات سے نزول قرآن کی ابتداء ہوئی اور پھر یہ مبارک سلسلہ 23 سال تک جاری رہا۔رمضانِ کریم کو عبادات سماع قرآن، ذکر وفکر اور دعاؤں کے ساتھ خاص نسبت ہے۔آخری عشرے میں اعتکاف کی صورت سے گھر بار سے ایک انقطاع کی صورت پیدا ہوجاتی ہے اور معتکف اللہ تعالیٰ کے در پر دُھونی رما کر بیٹھ جاتا ہے۔اسی عشرے میں اہلِ ایمان کو لیلۃ القدر کی تجلیات سے حصہ ملتا ہے۔رمضان المبارک کا تاریخِ اسلام کے دو اہم واقعات سے بھی تعلق ہے۔جنگ بدر میں کامیابی اور فتح مکہ کی شکل میں تاریخ ساز پیش رفت۔رمضان المبارک ہی میں ہوئی۔جنگ بدر پہلی اہم فوجی کامیابی تھی اور فتح مکہ کے بعد تو ہر طرف یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔کے جلوے نظر آنے لگے!

الغرض رمضانِ کریم قُربِ الٰہی کا مہینہ ہے۔نزولِ قرآن کی سالگرہ ہے۔اس ماہِ مبارک کو قبولیتِ دُعا سے خاص نسبت ہے اس مہینے میں اہلِ ایمان کیلئے رزق میں کشائش کا وعدہ بھی موجود ہے۔اس میں روزوں کا اہتمام کرنے والوں کیلئے بروز قیامت ’’ریّان‘‘ نامی ایک خاص دروازے سے گزرنے کی بشارت دی گئی ہے۔ریّان کا مطلب ہے سیراب کرنے والا۔ذرا اس حدیث کے الفاظ پر غور فرمائیے۔قیامت کے دن روزہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کرے گا کہ اس شخص نے میری وجہ سے کھانا پینا اور لذّاتِ نفس کو چھوڑ دیا اس کی مغفرت فرما!

عبادت کی ہر قسم ہی خداشناسی میں ممد ہے مگر روزہ اس حوالے سے نہایت موثر ہے۔غالباً اسی لئے، اسے تنویرِ قلب کا مہینہ کہا جاتا ہے۔روزے کی روحانی افادیت اور کشفی صلاحیت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

’’انسانی فطرت میں ہے کہ جس قدر کم کھاتا ہے اُسی قدر تزکیہءنفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔خدا تعالیٰ کا منشا اس سے یہ ہے کہ ایک غذا کم کرو اور

دوسری کو بڑھاؤ۔ ہمیشہ روزہ دار کو یہ مدّ نظر رکھنا چاہیئے کہ اس سے اتنا مطلب نہیں کہ بھوکا رہے بلکہ اُسے چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تا کہ تبتّل اور انقطاع حاصل ہو۔ پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان ایک روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے دوسری روٹی کو حاصل کرے جو رُوح کی تسلی اور سیری کا باعث ہے اور جو لوگ محض خدا کیلئے روزے رکھتے ہیں اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے، انہیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح اور تہلیل میں لگے رہیں جس سے دوسری غذا اُنہیں مل جائے۔''

(ملفوظات جلد9صفحہ123، ایڈیشن1984ء)

ہمارا مقدس دین، بعض ایام، مکانات، مقامات، افراد کے حوالے سے خاص برکات کی وابستگی کو تو تسلیم کرتا ہے مگر یہ نہیں کہتا کہ بعض دن یا اعداد مثلاً 13 منحوس ہوتے ہیں یا بعض مکانات و مقامات سے نحوست چمٹی ہوتی ہے۔ خدا شناسی اور خُدا نمائی کی مُہمّات میں اس قسم کے توہمات پنپ ہی نہیں سکتے۔ بے بصیرت نجومی، دست شناس اور جوتشی لوگوں کو خواہ مخواہ خوفزدہ کرتے رہتے ہیں۔ اسلام ہر قسم کی توہم پرستی کی جڑ پر تبر رکھتا ہے۔

زمانہء جاہلیت کے عرب بھی دوسری قوموں سے مختلف نہ تھے وہ بھی اس قسم کے توہمات میں مبتلا تھے۔ اسلام نے انہیں اس قسم کے ہر مصنوعی خوف سے نجات دی۔ قدیم عرب شوّال کے مہینے کو منحوس سمجھتے تھے۔ صرف اس وجہ سے کہ ایک مرتبہ عرب میں شوال کے مہینے میں طاعون پھوٹ پڑی جس سے بہت زیادہ جانی نقصان ہوا۔ اس نحوست کے خوف سے شوال میں نکاح بیاہ کرنے سے ڈرنے لگے۔ لیکن حضرت نبی کریم ﷺ نے عملی طور پر اس جہالت کی تردید کی۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کی شادی اور رخصتی شوّال میں ہوئی۔

رمضان میں رُوحانی محبت کے اظہار کے دوطرفہ انداز

لفظ ''رمضان'' کی تشریح کے طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں دو قسم کے ''رمض'' موجود ہیں۔ رمض کے معنی گرمی، حرارت وغیرہ کے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ اہلِ تقویم نے مہینوں کے نام تجویز کرتے وقت موسم گرما کی مناسبت سے رمضان کو یہ نام دیا ہو۔ ایک اور پہلو یہ ہے کہ دو قسم کی حرارتوں سے دو قسم کی محبت کی آگ کی طرف اشارہ ہے یعنی خالق اور مخلوق کے درمیان محبت کی آگ۔ دوطرفہ محبت کی یہ آگ، رمضان میں واضح پیرایہء اظہار اختیار کر لیتی ہے۔ اہلِ ایمان اپنے خالق و مالک کی اطاعت و محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر، سخت گرمی میں بھوک پیاس کی شدّت بھی برداشت کر لیتے ہیں نیز دوسری جائز لذّات بھی خوشی خوشی ترک کر دیتے ہیں۔ آخری عشرے میں، حالتِ اعتکاف میں معتکف گھر بار چھوڑ کر خانہء خُدا میں ڈیرے ڈال لیتا ہے۔ حالتِ صوم میں بھوک پیاس اور پنجوقتہ نمازوں کے علاوہ نوافل اور تراویح کا اہتمام، قرآن کریم کی تلاوت، دعاؤں اور تضرعات میں استغراق، تسبیح، تحمید، تہلیل اور درود وسلام سے سرور حاصل کرنا بہت کچھ شامل ہے۔ نیز ایصالِ خیر کے تحت صدقہ وخیرات اور دیگر بھلائی اور خیر سگالی کے کاموں کے مواقع ملتے ہیں مثلاً افطار کروانا، زکوٰۃ ادا کرنا، اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس قسم کے اعمال صالحہ کی توفیق یہ بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے محبت کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی بندے کیلئے محبت کا اظہار ہوتا ہے بلکہ زیادہ ہوتا ہے تصویری اور تمثیلی زبان میں کہا جاتا ہے کہ جب بندہ چل کر جاتا ہے تو اس کا مالک و خالق اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت کے اظہار کے چند پہلو ملاحظہ فرمایئے۔ عبادات میں لذّت اور خشوع وخضوع عطا کرنا، التجاؤں اور دعاؤں کو قبول کرنا رویائے صالحہ سے نوازنا، قرآنی علوم و معارف کے دروازے کھولنا، دل کو سکینت عطا کرنا، لیلۃ القدر کی تجلیّات سے متمتع کرنا وغیرہ۔ بندے اور اس کے خالق و مالک کا یہ تعلق یوں تو سارا سال رہتا ہے۔ مگر رمضان کریم کے مبارک شب و روز اس کی معراج کے لمحات پر مشتمل ہیں۔ اور یُوں محسوس ہوتا ہے کہ ع

''دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی''

عاشق اور معشوق کے درمیان راز و نیاز کی اس کیفیت کا شعراء نے نقشہ کھینچنے کی کوشش کی ہے۔ ایک فارسی شاعر فرماتے ہیں ؎

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبینؑ را خبر نیست

یعنی عاشق اور معشوق کے درمیان ایسے ایسے راز و نیاز چلتے ہیں کہ اعمال کا حساب لکھنے والے فرشتے (کراماً کاتبین) بھی ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ اُن کے پلے بھی کچھ نہیں پڑتا۔ ذرا اس شعر پر غور فرمایئے ؎

وہ کچھ کہنے کو تھے، ہم پا گئے، وہ مسکرا اُٹھے
کوئی تو بات تھی جو اُن کے منہ سے چھین لی ہم نے

غالب کوتو اپنی عبادت کے قبول ہونے پر ہی شک ہے ؎

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

لیکن ہمارا تو یہی تجربہ ہے کہ بندگی میں لازماً بھلا ہوتا ہے۔ رحیم وکریم آسمانی بادشاہ عبادت کے حقیر سِکّوں کو بھی شرفِ قبول بخشتا ہے۔ دُعاؤں کو سنتا ہے۔ یقین اور ازدیادِ ایمان کے دروازے کھولتا ہے۔ رُوح فرسا ابتلاؤں اور آزمائشوں سے نجات دیتا ہے۔ اقبال اس حوالے سے صحیح نتیجے پر پہنچا ہے ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

عرض کیا جا چکا ہے کہ توحید کی سچی محبت انسان کو خدا شناسی کے مراحل سے گزار کر خدانمائی کی منزل تک لے جاتی ہے۔ اس چشمۂ علم ومعرفت سے دُوری انسان کو جہالت کے تاریک غاروں میں گرا کر اسفل السافلین بنا دیتی ہے۔ نصف صدی قبل ایک واقعہ پڑھا یا سُنا تھا جسے اَب لکھتے ہوئے بھی کوفت ہو رہی ہے۔ ایک ہندوعورت جو اولادِ نرینہ سے محروم تھی، اپنے گھر میں پاخانے کے قدمچے (کُھڈّی) کے سامنے سجدہ ریز ہو کر، پرارتھنا (دُعا) کرتی تھی کہ اگر تُو مجھے لڑکا دے تو میں اُسے تجھ میں ہگایا کروں گی۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں مسلمانوں کے گھروں میں پیدا کیا اور اپنی توحید کا عرفان بخشا!!

یقین کی بلند وبالا دیوار

گناہوں سے بچنے کی توفیق اور اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے نیک اعمال میں استقلال سے پیش قدمی اور اس کی راہ میں جان تک قربان کرنے کی ہمت، اُس عالم الغیب کی ذات پر یقینِ کامل سے پیدا ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یقین کے مختلف پہلوؤں پر اپنی تحریروں اور تقریروں میں بڑی کثرت سے اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ روزہ کی مثال ہی لے لیجئے۔ روزہ دار بھوک پیاس کی شدت برداشت کرتا ہے حلال اور طیب چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے۔ کوئی دیکھنے والا نہیں، کوئی ٹوکنے والا نہیں مگر روزہ دار یہ سوچ کر کہ اللہ دیکھ رہا ہے کھانے پینے اور دیگر لذّات سے رُکتا ہے۔ یہ یقین کی قوت کی کارفرمائی ہے۔

اس وقت اُسے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خوف دامن گیر ہوتا ہے۔ مومن کا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، سانپ، بچھو، زہر، یا بھوکے شیر، چیتے اور بھیڑیئے سے ڈرنے کی طرح نہیں۔ یہاں ''ڈرنے'' کا مطلب اس کی ناراضگی کا خوف اور اس کی نعمتوں اور برکتوں سے محروم ہو جانے کا خدشہ ہے۔ اُس کی دستگیری اور حفاظت و پناہ کی چھتری کے اُٹھ جانے کا خوف ہے۔

انسانی جسم و جان ہی کو لے لیجئے۔ حیات مستعار کتنی ناپائیدار چیز ہے۔ کسی بھی وقت سانس کی آمد ورفت رُک سکتی ہے۔ ہم اس قسم کے واقعات کو جانتے ہیں۔ صرف جسم کی بناوٹ پر غور فرمائیے۔ آنکھ ہی کو لے لیجئے۔ اس عظیم عضو کی نعمت کتنی نازک اور پیچیدہ ہے۔ اگر خدانخواستہ کسی حادثے میں بینائی جاتی رہے تو ہماری زندگی میں کیسی کیسی تلخیوں کا زہر گُھل جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہر بدنظر خائن کی نظر ضائع کرنے کی پالیسی نافذ کر دے تو یکدم سارے مجنوں عشق کرنا بھول جائیں! پھر ''دلِ ناتواں'' کو لے لیجئے۔ رحم مادر کے دنوں سے، سینے میں دھڑکنا شروع کرتا ہے اور مرتے دم تک اس خدمت پر اللہ کے حُکم سے کمر بستہ رہتا ہے۔ ہر منٹ میں تقریباً 70 دفعہ دھڑکتا ہے۔ اگر آپ ستر اسّی سال کے پیٹے میں ہیں تو ذرا کیلکو لیٹر کی مدد سے دل کی دھڑکنیں شمار کر لیجئے۔ کاش اللہ تعالیٰ ہمیں شکر کی توفیق عطا فرمائے! اس میں بھی ہمارا ہی فائدہ ہے۔ ان شکرتم لازیدنّکم۔ بات یقین سے شروع ہوئی تھی۔ اظہارِ تشکر تک آ پہنچی ہے۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔

ہم چاند پر گئے تو نہیں مگر شنید ہے کہ چاند سے سطح ارض پر بنی ہوئی ''دیوارِ چین'' نظر آتی ہے۔ اہلِ ایمان کے دلوں میں موجود ''دیوارِ یقین'' ایک ایسی چیز ہے جو ربّ الافلاک کو عرش کی بلندیوں سے نظر آ جاتی ہے۔ اسی یقین کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ دیوار اتنی اُونچی ہے کہ اس پر شیطان نہیں چڑھ سکتا۔ رمضان المبارک میں شیطان کے مقیّد اور پابہ زنجیر ہونے کا یہی مطلب ہے کہ یہ چور اہل ایمان کی دیوار تک رسائی سے محروم ہے۔ اس میں نقب نہیں لگا سکتا اور نہ ہی اس کو عبور کر سکتا ہے۔ رمضان کریم میں یقین کی اس دیوار کی بلندی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ورنہ دیکھنے میں آیا ہے کہ رمضان میں بعض فاسقوں اور بدکرداروں پر شیطان کے حملے جاری رہتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ان کے باطن میں یقین کی یہ بلند وبالا فصیل موجود نہیں۔ ''پیدائشی'' مسلمان ہونے کے ناتے اُن کے ہاں اس مضبوط اور بلند دیوار کی بجائے ایک

چھوٹی سی منڈیر پر موجود ہے جسے شیطان اور اُس کے چیلے ہر وقت پھلانگتے رہتے ہیں!!

رمضان میں قبولیت دُعا کا ربّانی تحفہ

رمضان کریم کا ایک اہم امتیازی پہلو، قبولیت دعا کے وعدہ کا ربّانی تحفہ ہے۔ روزوں کی فرضیت اور اُن کے مسائل پر مشتمل آیات میں درج ذیل بابرکت آیت بھی موجود ہے۔

وَاِذَاسَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ لا فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْ بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ(سورۃ البقرۃ آیت 187)

جس کا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ان الفاظ میں ترجمہ فرمایا ہے:

''اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو یقیناً میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس چاہیئے کہ وہ بھی میری بات پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔''

یُوں تو دُعائیں سارا سال ہی قبول ہوتی ہیں۔ نہ ہوں تو تیس تیس سال تک بھی قبول نہیں ہوتیں۔ صوفیاء میں یہ بات مشہور ہے کہ قبول ہونے کا مرحلہ آئے تو لمبے عرصے سے قبول نہ کئے جانے والی دعائیں یکدم قبول ہوجاتی ہیں۔ دعاؤں کی قبولیت کیلئے مہ و سال، روز و شب اور صبح و شام کی کوئی قید نہیں۔ خلوص، حالتِ اضطرار اور اکلِ حلال قبولیتِ دعا کیلئے مہمیز کا حکم رکھتے ہیں۔ البتہ مندرجہ بالا آیت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ رمضان کریم کو قبولیتِ دُعا سے خاص نسبت ہے۔ رمضان المبارک قبولیتِ دُعا کا موسمِ بہار ہے۔

اس آیہ کریمہ میں ''عبادی'' کا لفظ بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن کریم میں عبد، عبدہٖ، عبدِ منیبٌ، عبداً شکوراً، عبداً من عبادنا، عبدہ، عبدہٖ، عَبْدَیْن، عباد، عباداللہ، عبادنا المخلصین، عبادنا المؤمنین، اور عبادنا المرسلین وغیرہ الفاظ اور تراکیب موجود ہیں۔ تقریباً 20 سے زاید مرتبہ یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ دو تین مرتبہ ''عبد'' کا لفظ غلام کی مثال سمجھانے کیلئے وارد ہوا ہے ورنہ اکثر انبیاء و مرسلین اور محبوبانِ الٰہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ، حضرات نوح، لوط، داؤد، سلیمان، ایوب، موسیٰ، ہارون، الیاس، یوسف، اور مسیح ابن مریم علیہم السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ سورت صٓ کی آیت 46 میں ''عبادنا'' میں ایک ہی خاندان کی تین نسلوں کے نبیوں کا ذکر کیا گیا یعنی باپ، بیٹا اور پوتا۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ۔ اس قسم کی آیات میں جو انبیاء و مرسلین کے ذکر پر مشتمل ہیں۔ ان محبوبانِ بارگاہِ الٰہی کے ایمان و اخلاص اور صفاتِ عالیہ کی تعریف و تحسین کی گئی ہے لیکن جو رُوحانی لذّت اور سرور، ''عبدی'' اور ''عبادی'' کے الفاظ میں ہے اس کی بات ہی اور ہے۔ وَاِذَا سَأَلَکَ عِبَادِیْ۔۔۔(سورۃ البقرۃ آیت 187) اور فادخلی فی عبادی و ادخلی جنّتی(سورۃ الفجر آیات 31,30) میں محبت کی خاص معطر پھوار پڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

کُفّارِ مکّہ اور دیگر مشرکین عرب، اللہ تعالیٰ کی ہستی کے تو قائل تھے مگر اُن کا خیال تھا کہ ربِّ اکبر کی ذاتِ عظیم بہت دُور ہے اور عام انسانوں کی اس تک رسائی ممکن ہی نہیں۔ اُس سے تعلق اور ربط و ضبط کیلئے ان واسطوں اور وسیلوں کی ضرورت ہے جو خانہ کعبہ کے اردگرد 365 بتوں اور مورتیوں کی صورت میں موجود تھے یا بعض اور شہروں کے استھانوں میں براجمان تھے۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ واحدِ یگانہ، قادر و توانا، حبل الورید سے بھی قریب تر ہے وہ سمیع و بصیر ہی نہیں، علیم و خبیر بھی ہے۔ ہمیں اُس کے حضور بلند آواز سے پکارنے اور چیخنے چلّانے کی ضرورت نہیں وہ ہماری تضرعات خواہ سرًّا یا اعلانیۃً انہیں سنتا ہے۔ وہ ماں باپ سے بڑھ کر شفیق ہے اور انتہائی وفادار دوست سے بڑھ کر وفادار ہے۔

اگرچہ روایتی طور پر اللہ تعالیٰ کے اسمائے الٰہیہ یعنی صفاتِ ربّانی کی تعداد 99 مانی جاتی ہے، قرآن کریم میں 102 صفات کا ذکر ملتا ہے۔ کسی اور الہامی کتاب میں خداوند کریم کے اتنے اسمائے الٰہیہ کا ذکر نہیں ملتا۔

چونکہ رمضان المبارک کے حوالے سے دعاؤں کی قبولیت کی بات کی گئی ہے۔ یہاں دُعا کے حوالے سے ضمناً کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ برِّصغیر پاک و ہند میں ''دُعا کرنا''، محض ایک رسم بن کر رہ گیا ہے۔ یہی حالت سر سیّد احمد خان صاحب کے زمانے میں تھی۔ سرسید جو تعلیم یافتہ مسلمانوں کی آواز اور علامت سمجھے جاتے تھے' کا خیال تھا دعا کے نتیجے میں مادی دنیا میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی مثلاً دُعا سے نہ کوئی مریض شفایاب ہوسکتا ہے، نہ کسی طالب علم کو امتحان میں اعلیٰ کامیابی نصیب ہوسکتی ہے۔ نہ کسی ملزم یا قیدی کو کسی مقدمے سے نجات مل سکتی ہے نہ کسی کی تجارت میں نقصان کا خطرہ ٹل سکتا ہے۔ اُن کے بقول دُعا سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ البتہ دعا کرنے والے کے نامہء اعمال میں عبادت کے ثواب کے طور پر کچھ اندراج ہوسکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی

تصنیف ''برکات الدعا'' میں، سید صاحب کے ان غیر اسلامی نظریات کی تصحیح فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جماعت احمدیہ کے افراد جس طرح قبولیت دعا پر یقین رکھتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں اور ان کی برکات سمیٹتے ہیں، اس کی مثال کسی اور مسلمان فرقے یا جماعت میں نہیں پائی جاتی۔ کبھی کبھار، اتفاقاً، پرنٹ یا الیکٹرانک میڈیا پر ''دعا کی قبولیت'' کی بعض ایسی مثالیں بھی سُننے یا پڑھنے کو مل جاتی ہیں کہ حیرانی ہوتی ہے۔ مثلاً کسی فلم کی نمائش پر ''کھڑکی توڑ'' رش کو ایکٹر یا ایکٹریس کی والدہ جو اکثر ریٹائرڈ ایکٹریس ہوتی ہے کی ''دعاؤں'' کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی اگر مغنّیہ یا گویّے کی ویڈیو بہت زیادہ بِکے تو کہا جاتا ہے کہ یہ ''پرستاروں کی دُعاؤں کی برکت ہے!''۔

یہ صورتِ حال دُعاؤں کے مقاصد اور آداب سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے اور سرسیّد احمد خان کی کیفیت سے زیادہ خطرناک جہالت ہے۔ اس آیت (2:187) میں ایک لفظ ''قریب'' بھی بہت اہم ہے۔ ''قُرب''، یعنی نزدیکی زمانہ کے لحاظ سے بھی ہوتی ہے مثلاً دوسری اور تیسری صدی کے مسلمان ہماری نسبت حضرت نبی کریم ﷺ کے مبارک زمانے کے زیادہ قریب تھے۔ قُرب، مکان کے لحاظ سے بھی ہوسکتا ہے یعنی جغرافیائی نسبت سے۔ اسی طرح قرب کسی فرد کے مقام و مرتبہ کے حوالے سے بھی ہوسکتا ہے۔

رمضان المبارک قبولیتِ دُعا کا خاص مہینہ ہے۔ ''فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ''، قبولیتِ دُعا کی یقین دہانی کیلئے کہا گیا ہے۔ ہزاروں لوگوں کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ رمضان المبارک میں قُربِ الٰہی کی راہیں وسیع اور کشادہ ہوتی جاتی ہیں۔ اور خشوع و خضوع سے دعا کرنے کے مواقع ملتے ہیں اور انسان اپنے ربّ کریم کی طرف ایک کشش محسوس کرتا ہے۔ ہمارے دِین نے ہمیں حسناتِ اُخروی اور برکاتِ دنیوی، دونوں کیلئے دعا کرنے کی تلقین کی ہے۔ انسان بے شک دُنیوی مرادات اور مادی برکات و حسنات کیلئے بھی دعا کرے مگر اصل مقصد و مدعا اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے دعا کرنا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا قرب میسّر آ گیا تو پھر گویا سب کچھ مل گیا۔ خُدا داری چہ غم داری؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے معرکۃ الآراء لیکچر ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' میں قُربِ الٰہی کے موضوع پر درج ذیل ایمان افروز الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

''اس مرتبہ میں محبت اور عشق کی نہریں ایسے طور پر جوش مارتی ہیں۔ جو خدا کیلئے مرنا اور خدا کیلئے ہزاروں دُکھ اٹھانا اور بے آبرو ہونا ایسا آسان ہوجاتا ہے کہ گویا ہلکا سا تنکا توڑنا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ کون کھینچ رہا ہے۔ ایک غیبی ہاتھ اس کو اٹھائے پھرتا ہے۔ اور خدا کی مرضیوں کو پُورا کرنا اس کی زندگی کا اصل الاصول ٹھہر جاتا ہے۔ اس مرتبہ میں خدا بہت ہی قریب دکھائی دیتا ہے جیسا کہ اُس نے فرمایا ہے۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ یعنی ہم اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ ایسی حالت میں، اس مرتبہ کا آدمی ایسا ہوتا ہے کہ جس طرح پھل پختہ ہوکر خودبخود درخت پر سے گر جاتا ہے۔ اسی طرح اس مرتبہ کے آدمی کے تمام تعلقات سفلی کالعدم ہوجاتے ہیں۔ اور اس کا اپنے خُدا سے ایسا گہرا تعلق ہوجاتا ہے اور وہ مخلوق سے دُور چلا جاتا ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات سے شرف پاتا ہے۔

اس مرتبہ کے حاصل کرنے کیلئے اب بھی دروازے کھلے ہیں جیسے کہ پہلے کُھلے ہوئے تھے اور اب بھی خدا کا فضل یہ نعمت ڈھونڈنے والوں کو دیتا ہے جیسا کہ پہلے دیتا تھا۔ مگر یہ راہ محض زبان کی فضولیوں کے ساتھ حاصل نہیں ہوتی اور فقط بے حقیقت باتوں اور لافوں سے یہ دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ چاہنے والے بہت ہیں مگر پانے والے کم۔ اس کا کیا سبب ہے۔ یہی کہ یہ مرتبہ سچی سرگرمی، سچی جانفشانی پر موقوف ہے۔۔۔ اس بارے میں اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ۔

(روحانی خزائن جلد10 صفحہ395-396 ایڈیشن2009)

ایک اور مقام پر، نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اور نادر نکتہءِ معرفت بیان فرمایا ہے:

یعنی ہم انسان سے اس کی رگِ جان سے بھی قریب تر ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا حبل الورید کے خُون کے نکلنے سے انسان کی موت ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ سے دُور پڑنے میں انسان کی موت ہے بلکہ اس سے زیادہ تر۔''

(ست بچن، روحانی خزائن جلد10 صفحہ223 ایڈیشن2008ء)

اسلامی روزوں کے چند امتیازی پہلو

قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ شریعت اسلام کے نزول و نفاذ سے قبل؛ دوسرے ادیان و مذاہب کے پیروکاروں پر بھی روزے فرض کئے گئے تھے (**کما کتب علی الذین من قبلکم**) البتہ روزوں کی ہیئت، دورانیہ، حدود و قیود اور تعداد مختلف تھی مگر روزہ کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا۔ چنانچہ آج بھی بعض مذاہب کے ماننے

والے روزوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ مگر اسلامی روزے کے ماننے والے روزوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ اسلامی روزے ایک ممتاز اور منفرد بدنی اور قلبی عبادت کا مقام رکھتے ہیں۔

ہندو اپنے روزے کو ''برت'' کہتے ہیں۔ برت میں انہیں آگ پہ پکی ہوئی چیزیں روٹی، سالن وغیرہ کھانے کی ممانعت ہے مگر پھل، کچی سبزی ترکاری کھا سکتا ہے۔ اسی طرح پانی، شربت وغیرہ پینے کی اجازت ہے۔ برت کا دن بھی اپنی مرضی سے مقرر کرنے کی رعایت ہے۔ یہود میں بھی گناہوں اور لغزشوں کے کفارے کے روزوں کا تصور موجود ہے۔ یومِ عاشورہ (10 محرّم) کے روزے کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیواؤں میں روزے رکھنے کا رواج موجود ہے۔ اکثر باعمل عیسائی ایسٹر سے پہلے روزے رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے دشت میں قیام کے دوران چالیس روزے رکھے تھے۔ اسلامی روزے دوسرے مذاہب کے ان روزوں سے درج ذیل وجوہات کی بناء پر مختلف ہیں۔

قرآن میں فرضیتِ صیام

اسلامی روزے قرآن میں اللہ تعالیٰ کے واضح حکم کے تحت فرض کئے گئے ہیں۔ جو اس ابدی شریعت کی الہامی کتاب میں آج بھی موجود ہے۔ ان روزوں کیلئے رمضان کا مہینہ مقرر کیا گیا ہے جو ہر موسم، گرمی، سردی، بہار و خزاں میں گردش کرتا رہتا ہے۔ فرضیتِ صیام کی تاریخی وجہ یہ بیان کی گئی کہ اس ماہِ مکرّم میں قرآن مجید کے نزول کی ابتداء ہوئی۔ صیامِ رمضان کے مقاصد بھی بیان فرما دیئے گئے یعنی **لعلکم تتقون، لعلکم تشکرون، اور لعلھم یرشدون**، ایک مقصد یہ بھی واضح کیا گیا کہ روزوں میں اکلِ حلال کی تربیت کا یہ معاشرتی فائدہ بھی ہوگا کہ دوسروں کے اموال و املاک کو ناجائز طور پر کھانے کیلئے حکام سے ساز باز نہیں کروگے۔ روزوں کے حوالے سے ضروری مسائل بھی قرآن کریم میں بیان فرما دیئے گئے۔ بیماروں، مسافروں اور معمّر اور کمزور لوگوں کیلئے رعایت کا ذکر بھی کر دیا گیا۔ آخری عشرے میں اعتکاف کے مسائل نیز لیلۃ القدر کی اضافی برکت کی بشارت بھی دی گئی۔ کسی دوسری الہامی کتاب میں روزوں کے حوالے سے ایسی تفاصیل موجود نہیں۔

حکمِ ربّانی کی تسلسل سے تعمیل

روزوں کی فرضیت کا حکم 2 ہجری میں نازل ہوا۔ 1332 سال سے اُمّتِ مسلمہ، تسلسل کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی توفیق پا رہی ہے۔ جولائی 2013ء میں ہلالِ رمضان کے نظر آجانے کے ساتھ ہی اُسی جوش و خروش اور جذبہ ءِ محبت و اخلاص سے روئے زمین کے مسلمان روزوں کا اہتمام کریں گے۔ امسال روزے کا دورانیہ بھی طویل ہوگا اور بعض ممالک میں گرمی کی شدّت بھی اپنی انتہاء پر ہوگی۔ لیکن اس کے باوجود لوگ روزے رکھیں گے۔ 14 صدیوں سے شریعتِ اسلام کے اس حکم کو بجا لایا جا رہا ہے۔ اس کی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔

روزوں کے نام پر تجاوزات سے پاک مذہب

رمضان کریم کے روزوں کا درجہ ''فرض عبادت'' کا ہے۔ اس کے علاوہ اسلام میں نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے ارکان بھی موجود ہیں۔ نیز ہر قسم کی نفلی عبادات کی روایت بھی موجود ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزوں کا بھی اہتمام فرماتے۔ 15 شعبان کا روزہ، شوال کے 6 روزے۔ ایام بیض کے روزے ان نفلی روزوں کی مثال ہیں۔ لیکن اسلام کا حُسن ہے کہ کسی فرد کو ایسے روزوں کو، فرض شرعی روزوں کا مقام دینے کی نہ اجازت ہے اور نہ ہی کسی نے ایسی حرکت کی ہے۔ نفلی روزہ رکھنا یا اُس کی طوعی تحریک کرنا اس سے متصادم نہیں۔ مگر دوسرے مذاہب میں روزے ''ایجاد'' کئے گئے اور انہیں از راہِ تحکم مذہبی اور شرعی مقام دیا گیا۔ مثلاً جب 607 قبل مسیح میں بابل کی افواج، یروشلم کی فصیل میں شگاف ڈال کر شہر میں گُھس گئیں تو اس فوجی ہزیمت کی یاد میں ''چوتھے مہینے کا روزہ'' نافذ کیا گیا۔ یہود کی تقویم کے پانچویں مہینے میں، یروشلم میں واقع ان کا معبد (ہیکل سلیمانی) تباہ کر دیا گیا۔ بنی اسرائیل کے قِبلے کے انہدام کے غم میں ''پانچویں مہینے کا روزہ'' جاری کیا گیا۔

یہود کے ہاں اسی قسم کے المناک واقعات کی یاد میں اور روزوں کا اجراء ہوتا رہا مثلاً ساتویں مہینے کا روزہ، دسویں مہینے کا روزہ۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے کتاب: Insight On The Scriptures جلد دوم، صفحہ 832 ناشر واچ ٹاور بائبل اینڈ ٹریکٹ سوسائٹی، ایڈیشن 1988۔

ہر مذہب کی تاریخ میں اس قسم کے حادثوں اور سانحوں کا ذکر مل جاتا ہے۔ اموی دور میں حجاج بن یوسف نے خانہ کعبہ پر سنگ باری کروائی جس سے بیت اللہ کی عمارت کو نقصان پہنچا مگر کسی نے اس سانحہ کی یاد میں ''روزہ'' جاری نہیں کیا! 1099ء میں یروشلم پر یورپ کے عیسائیوں کا قبضہ ہوگیا اور مسجد اقصیٰ اور

گنبدِ صخر پر صلیب نصب کر دی گئی۔ یہ قبضہ تقریباً ایک سو سال تک برقرار رہا۔ اس کے ''سوگ'' میں بھی مسلمان علماء نے کوئی روزہ ایجاد نہیں کیا۔ اور نہ ہی صلاح الدین ایوّبی کی فتح کے بعد اس صلیب کے اتارے جانے پر کوئی روزہ نافذ کیا گیا۔

صیامِ رمضان، دینی اور ثقافتی عظمت کا عالمگیر اظہار

روزے ہندو، یہودی اور عیسائی بھی رکھتے ہیں۔ مذہبی مزاج رکھنے والے ان مذاہب کے پیروکار انفرادی طور پر اس قسم کی عبادت کر لیتے ہیں۔ مگر اسلام کے اس حکم کی جس طرح دنیا بھر میں تعمیل کی جاتی ہے۔ وہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے۔ ہلالِ رمضان کے نظر آتے ہی پچاس سے زاید مسلم ممالک میں ایک انقلاب سا برپا ہو جاتا ہے۔ شمالی افریقہ کے ملک ماریطانیہ سے مشرقِ بعید کے جزائر تک بالفاظِ دیگر بحرِ اوقیانوس سے بحرالکاہل تک، کروڑوں مسلمان روزوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہی کیفیت ان تارکین وطن مسلمانوں کی ہے جو سکینڈے نیوین ممالک سے برازیل اور چلّی تک میں موجود ہیں!

بازار پُر رونق، میڈیا میں افطار و سحر کے اعلانات، اذانوں کی گونج طرح طرح کے کھانوں کی تیاری، مسجدیں نمازیوں سے پُر، تراویح کا اہتمام، آخری عشرے میں اعتکاف، لیلۃ القدر کی تلاش اس انقلاب کا حصہ ہیں۔ ساری دنیا اب ''رمضان'' کے لفظ سے واقف ہے۔ اس کے بہت سے دینی اور ثقافتی پہلو بھی ہیں۔ سیاست کے حوالے سے خیر سگالی کا اپنا مقام ہے اللہ کی شان ہے کہ کچھ عرصہ سے وائٹ ہاؤس میں بھی افطاری کا اہتمام کیا جا رہا ہے!!

یہ بھی درست ہے کہ رمضان میں مومن کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس پر بہت کم غور کیا گیا کہ رمضان میں کئی اشیاء کی خرید و فروخت بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً جائے نماز، چٹائی، تسبیح ٹوپی وغیرہ۔ کھجور کو تو ایک طرح کا تقدس حاصل ہے۔ اس کا لین دین بہت ہوتا ہے۔ پکوڑوں کو کھجور جیسا تقدس حاصل نہیں مگر رمضان میں اتنے پکوڑے کھائے جاتے ہیں کہ بعض لوگ پکوڑوں کے مشابہ ہو جاتے ہیں۔ مجھے افریقہ میں لمبا عرصہ رہنے کا موقعہ ملا ہے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ جن ممالک میں پکوڑے نہیں بنائے جاتے وہاں رمضان میں اُن کے ''قائمقام'' ضرور بنائے اور فروخت کئے جاتے ہیں۔ میں تو کہوں گا رمضان اور پکوڑوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے!

اخوت، محبت، غریب پروری اور خیر سگالی کا مہینہ

رمضان ایثار اور ایصالِ خیر کا مہینہ ہے۔ اسی طرح یہ بے لوث محبت اور مومنانہ اخوت کے اظہار کا مہینہ ہے۔ نیک نیتی، بھائی چارے امن اور صلح کا مہینہ ہے۔ معاشرے میں جہاں ہر طبیعت، ذوق اور مزاج کے لوگ رہتے ہیں، اُونچ نیچ ہو ہی جاتی ہے۔ ایسی صورت حال کے حوالے سے حضور ﷺ نے نصیحت فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص رمضان میں کسی سے لڑنے جھگڑنے لگے تو وہ اُسے کہہ دے کہ بھائی میں روزے سے ہوں لڑنے جھگڑنے سے قاصر ہوں۔ جھوٹ جو ہر فساد کی جڑ ہے، اس کی روزے میں گنجائش نہیں۔ اسی طرح گالی گلوچ بھی ممنوع ہے۔ یہی کیفیت بے ایمانی اور خیانت کی ہے۔ بالفاظِ دیگر روزہ ان تمام اخلاقِ سیئہ کا قلع قمع کرتا ہے۔

روزے میں دوسروں سے حُسنِ سلوک اور اُنہیں نفع پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ خاص طور پر غرباء، مساکین اور دیگر ضرورت مندوں کی مدد کرنا ایک قابلِ قدر نیکی ہے جس پر رمضان میں بار بار عمل کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کے بارے میں سیرت نگار لکھتے ہیں کہ اس ماہِ مقدّس میں حضورؐ کا دستِ کرم تیز آندھی کی طرح متحرک رہتا!

رمضان کے مبارک شب و روز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان میں ہر نیکی کا اجر و ثواب ستّر گُنا تک بڑھ جاتا ہے۔ نفلی عبادات، صدقات و خیرات اور دیگر نیک کاموں پر اجر و ثواب کی یہی کیفیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ زکوٰۃ کا فریضہ اسی مہینے میں ادا کرتے ہیں اور غرباء و مساکین، یتامیٰ اور ضرورت مند بیوگان کی رقوم، غذائی اجناس اور دیگر ضروریاتِ زندگی سے مدد کرتے ہیں۔ دینِ اسلام نے اس قسم کی مالی اور مادی امداد کی فراہمی کیلئے یہ معیار قائم کیا ہے کہ دیتے وقت بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ داہنے ہاتھ نے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کیا کچھ خرچ کیا ہے۔ عام طور پر نیکی کر کے دریا میں ڈالنے کی بات کی جاتی ہے۔ یہ تو دریا میں ڈالنے سے بڑھ کر مُجاہدہ ہے!

رمضان میں پہلے روزے سے ہی غرباء و مساکین کی مدد کی جا سکتی ہے۔ اور ہر روز اس کارِ خیر سے حصہ لیا جا سکتا ہے۔ اگر خدانخواستہ موقع نہ ملے تو فطرانہ ادا کرنے کا حکم تو موجود ہے۔ یہ غرباء و مساکین کو عید الفطر کی خوشیوں میں شامل کرنے کی

ایک عملی تدبیر ہے۔ ضروری نہیں کہ اسے عید کے دن تک ملتوی رکھا جائے۔ آپ عید سے پہلے بھی اس خوشگوار فریضہ سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ ''غریبوں کو عید کی خوشیوں میں شریک'' کرنے کے حوالے سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ عید کے موقع پر اپنے پیاروں کو عیدی اور دیگر تحائف دیئے جاتے ہیں۔ اگر غرباء اور مساکین کو بھی یاد رکھا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اپنی خلافت کے عہد میں عید کے موقع پر غرباء کو تحائف دینے اور اُن کی محرومیوں کا مداوا کرنے کی تلقین فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مبارک مہینے میں حضورؒ کی ان نصائح پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

غریب اور ضرورتمند ہر معاشرے میں مل جاتے ہیں۔ لیکن کئی دوست جماعت، مسجد اور ذیلی مجالس کے حوالے سے امریکہ میں غرباء اور مساکین کی نایابی اور کمیابی کا شکوہ کرتے ہیں۔ ایسے دوستوں کیلئے ایک متبادل اور آسان راہ موجود ہے۔ ایسے احباب ربوہ اور قادیان کے غرباء و مساکین کیلئے کسی ذمہ دار دوست کے ذریعے مالی امداد فراہم کر کے ثواب دارین حاصل کر سکتے ہیں اگر اس میں اخفاء اور انکسار بھی شاملِ حال ہو سکے تو اُن کی نیکی کو عنداللہ چار چاند لگ سکتے ہیں۔

نظم

مبارک احمد ظفر۔ لندن

" Reflections of Mubarak Zafar Sahib, Vancouver, BC, May 2013, on how he saw Huzoor[aba] through his own eyes and of those who were affected by the words and blessings of Khalifatul Masih while Huzoor was in the West Coast of USA, (2013)" (Ameer Jama'at USA)

تائیدِ خُدا دیکھی اس بار جُدا دیکھی ظلمت کی فضاؤں میں بدلی سی ہوا دیکھی

اس شہر کے لوگوں کا کہنا بھی ہے یہ آقا آپ ایک فرشتہ ہیں اُٹھتی یہ صدا دیکھی

ہر ایک ترا عاشق جیسے کہ ہو برسوں سے تعظیم و عقیدت کی آنکھوں میں ضیاء دیکھی

رکھے ہوئے سینوں پہ جوڑے ہوئے ہاتھوں سے اظہارِ محبت کی اک خاص ادا دیکھی

مئے خانہء کوثر تھا تیرا تو وجود اس وقت اک دید کے نشّہ کو ہر تشنہ نگاہ دیکھی

پردھان وہ جتنے تھے سر اُن کے جھکے دیکھے اک فیض کمانے کو ہر چشم براہ دیکھی

وہ خوب نبھائیں گے جو تجھ سے لگائی ہے ان لوگوں کی باتوں میں خوشبوئے وفا دیکھی

تُو شاہِ زمانہ ہے اے امن کے شہزادے اس ایک حقیقت کی محفل وہ گواہ دیکھی

اس شہر کی کُنجی بھی جو پیش ہوئی تجھ کو شاہوں کے اے شاہ تیری اک شان جُدا دیکھی

قادر کی عجب دیکھی اس ملک میں اِک قدرت ہمراہ فرشتوں کی اک خاص سپاہ دیکھی

جاتی ہے معلّی تک جو دل سے نکلتی ہے وہ آج ظفر ہم نے تاثیرِ دُعا دیکھی

کیا کزن سے شادی جائز ہے؟

نقلی اور عقلی دلائل کی روشنی میں

محمد اجمل شاہد

اسلامی ممالک سے آنے والے امیگریٹنٹس کی نئی نسلوں کو مغربی اور امریکی معاشرہ میں جن گوناگوں مسائل کا سامنا ہے اُن میں ایک اہم مسئلہ فرسٹ کزنز کے درمیان شادی کا ہے۔ ان ممالک میں ایسی شادی غیر مناسب بلکہ حرام سمجھی جاتی ہے جبکہ مسلم ممالک میں مذہبی لحاظ سے یہ معتبر سمجھی جاتی ہے اور صدیوں سے خاندانوں میں رواج پذیر ہے۔ اسکا ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ فریقین ایک دوسرے کو جاننے کی وجہ سے آسانی سے اپنے بچوں کے رشتے طے کر لیتے تھے اور عام طور پر یہ شادیاں کامیاب رہتی تھیں طلاق اور خلع کی شرح بھی بہت کم تھی اور باہمی ناچاقی کی صورت میں پیدا ہونے والے مسائل، عام طور پر خاندان کے بزرگ رائے مشورہ سے طے کرا دیتے تھے۔ لیکن اب ان ممالک میں پلنے والی نسلیں یہاں کے ماحول سے متاثر ہو کر کزن کی باہمی شادی کو معیوب سمجھتی ہیں اور دوسرے خاندانوں کی تلاش میں سرگرداں پھرتی ہیں واضح رہے کہ اس سے ازدواجی مسائل دن بدن پیچیدہ ہوتے چلے جا رہے ہیں نیز اسی وجہ سے طلاّق اور خلع کی شرح بھی ترقی پذیر ہے۔

مغربی ممالک میں کزن سے شادی کی حرمت کا رواج کسی الٰہی فرمان پر مبنی نہیں ہے کیونکہ عہد نامہ قدیم وجدید میں رشتوں کی حرمت کی کوئی صراحت موجود نہیں۔ استثناء باب 27 کی آیات 22-23 میں صرف بہن اور ساس سے شادی کی حرمت کا ذکر ہے اسکے علاوہ بائبل میں بعض ایسی باتوں کا ذکر ہے جو انتہائی طور پر قابلِ شرم ہیں مثلاً پیدائش باب 19 آیات 31-36 میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیٹیوں کا اپنے باپ سے حاملہ ہونے کا ذکر موجود ہے ایسے لوگ جو کزن کی باہمی شادی کو قابلِ اعتراض قرار دیتے ہیں وہ بائبل کے ایسے بیان کردہ واقعات کی کیا تاویل پیش کرتے ہیں؟

اگر بائبل کے اندر شادی کے متعلق کوئی ایسے احکام موجود ہوتے تو پھر بھی عیسائیوں کیلئے کوئی فرق نہ پڑتا۔ کیونکہ اگر چہ مسیح علیہ السلام یہی کہتے رہے کہ تورات کا چھوٹے سے چھوٹا حکم بھی قابلِ عمل ہے (متی باب 5 آیات 17-20) مگر آپ کے بعد آپ کے ایک خودساختہ حواری پولوس نے شریعت کے احکام کو لعنت قرار دیدیا اور شرعی احکام پر عمل کرنے کی پابندی ختم کرادی (گلتیوں 3-13) پولوس کے خطوط پڑھنے سے کئی تضادات سامنے آتے ہیں۔ ایک امر جو کھل کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ خود پولوس نے اپنے خطوط میں غیر اقوام کو متعدد احکامات دیئے ہیں، اس کے برعکس اگر خدا تعالیٰ اپنی مخلوق کو اوامر ونواہی دے جو شریعت کی اساس ہیں تو وہ لعنت ہیں لیکن پولوس خود لوگوں کو اوامر ونواہی دے تو وہ رحمت ہیں، یاللعجب۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ایسے کسی رشتہ کی حرمت کا ذکر کسی شریعت میں نہیں ہے تو پھر یہ خیال کیسے جڑ پکڑ گیا کہ کزن کی باہمی شادی نہیں ہوسکتی، تحقیق کرنے سے جو اسکی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ مغربی اور افریقی معاشرہ میں اُنکے آباؤاجداد ایک خاندان کے طور پر رہائش پذیر تھے، انہوں نے اپنے بچوں کو شادی سے قبل باہمی اختلاط اور جنسی تعلقات کو روکنے کیلئے یہ اصول وضع کیا کہ قریبی رشتہ داروں میں باہمی شادی نہیں ہوسکتی بلکہ صرف دوسرے خاندانوں میں ہوسکتی ہے یہ گویا ایک Taboo تھا جو حالات کے پیشِ نظر اختیار کیا گیا تھا جو بعد میں ایک اصول کے طور پر راسخ ہو گیا۔ اب ان ممالک میں خاص طور پر فرسٹ کزن سے شادی نہیں ہوسکتی اور امریکہ کی بعض ریاستوں میں ملکی قانون میں یہ بات شامل کر دی گئی ہے۔

اس بارہ میں اسلامی نقطہ نظر کو پیش کرنے سے قبل کزن کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ انگریزی زبان میں کزن کا لفظ ان تمام قریبی رشتہ داروں کیلئے استعمال ہوتا ہے جو ایک والدین کی اولاد ہوں یا والدین کے بہن بھائیوں کی اولاد ہوں، یہ سب فرسٹ کزن کہلاتے ہیں ان سے آگے جو اولاد ہوتی ہے وہ بھی کزن کہلاتے ہیں مگر وہ ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن عربی اور اردو زبان میں ان قریبی

رشتہ داروں کی تقسیم مختلف رشتوں کے لحاظ سے چچا زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد وغیرہ ناموں سے کی جاتی ہے۔ اسلام نے ان رشتہ داروں کی اولاد کی باہمی شادی کو جائز قرار دیا ہے ہمارے پیارے آقا ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کی شادی اپنے عم زاد حضرت علیؓ سے کر کے اسکی خود ایک عمدہ مثال قائم فرمائی ہے۔

دنیا کی تمام الہامی کتب میں قرآن مجید وہ واحد کتاب ہے کہ جس میں بنی نوع انسان کی تمام ضروریاتِ زندگی بشمول شادی وغیرہ کے متعلق تفصیلی احکام موجود ہیں نیز جن رشتوں کو حرام قرار دیا گیا ہے انکی حرمت کی حکمت بھی ضمنی طور پر بیان کردی گئی ہے تا کہ ان پر عمل کرنے میں آسانی ہو اور انسانی عقل کوئی انقباض نہ محسوس کرے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں جہاں ایک بیوی یا بوقتِ ضرورت ایک سے زائد چار بیویوں تک کی اجازت دی ہے وہاں اُن رشتوں کی تفصیل بھی بیان کردی ہے جن سے رشتہ کرنا حرام ہے۔ چنانچہ سورۂ نساء کی آیات 23-25 میں ایسے ممنوعہ رشتوں کی تفصیل موجود ہے لیکن ان میں زیرِ بحث کزنز کی باہمی رشتوں کی ممانعت کا ذکر نہیں آتا ہے، اسی وجہ سے تمام اسلامی ممالک میں ایسی شادیاں بکثرت ہوتی چلی آرہی ہیں اسی لئے قریبی رشتہ داروں میں باہمی ازدواج سے بچوں کی شادیوں کا مسئلہ کافی آسان تھا لیکن اب معاشرہ کے زیرِ اثر کزنز کی شادیوں کو معیوب سمجھا جانے لگا ہے اور دن بدن ازدواجی مسائل سنگین صورت اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔

ایک اور تاثر ڈاکٹرز کی رائے کی وجہ سے جڑ پکڑ گیا ہے جو بعض بچوں میں پیدائشی نقص کی وجہ قریبی رشتہ داروں میں شادی کو قرار دیتے ہیں لیکن موجودہ دور میں شادی سے قبل خون کی matching کی سہولت موجود ہے اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے ورنہ اگر تفصیلی جائزہ لیا جائے تو صریحًا دیکھا جاسکتا ہے کہ مغربی معاشرہ میں handicap بچوں کی شرح نسبتًا کہیں زیادہ ہے جبکہ اگر اسکی وجہ صرف قریبی رشتہ داروں میں شادی ہوتی تو اس شرح میں کمی ہونی چاہیئے تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض ایک قیاسی امر ہے اسکا حقائق سے تعلق نہیں۔

رشتوں کی حلّت وحرمت کے سلسلہ میں قرآنِ مجید میں جو بنیادی حقیقت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے مرد وعورت کی تخلیق آئندہ نسلوں کے تسلسل کیلئے کی ہے اسلئے خالقِ حقیقی ہی بہتر جانتا ہے کہ کونسے رشتے مفید اور مناسب ہیں اور کون سے رشتے ممنوع ہیں۔ یہ حق انسانوں کو نہیں دیا گیا کہ وہ خود رشتوں کی حلّت وحرمت کا فیصلہ کریں۔ چنانچہ ایسے غلط فیصلے جو کسی بھی وجہ سے سوسائٹی میں رواج پا گئے تھے انکی سختی سے تردید کی گئی ہے اور آئندہ کیلئے ایک اصول قائم کردیا گیا ہے۔ اسکی مثال قرآنِ مجید میں موجود ہے کہ بعض رشتے جو بظاہر جائز معلوم ہوتے تھے اللہ تعالیٰ نے انکی حرمت کا اعلان بوجوہ فرمایا ہے چنانچہ ایک طرف جہاں متبنّٰی کی رسم کو ختم فرمایا وہاں رسولِ کریم ﷺ کی روحانی ابوّت کا ذکر کیا ہے اور اس لحاظ سے حضور ﷺ کی ازواج کو امہات المومنین قرار دیا ہے اور حضور ﷺ کی وفات کے بعد ان سے شادی کو منع فرمایا ہے (سورۃ الاحزاب آیات 45, 7)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں جن رشتوں کو حرام قرار دیا ہے انکی حرمت کی حکمت بھی ساتھ بیان فرمادی ہے۔ اس ضمن میں تین باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں:

1۔ بعض رشتوں کی حرمت اس وجہ سے کی گئی ہے کہ ادب اور احترام مانع ہے چنانچہ والدہ، یا باپ کی کسی بیوی سے شادی جائز نہیں۔ اسکے لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: 'یہ بڑی بے حیائی اور قابلِ نفرت عمل ہے' (سورۃ النساء: 23)

اسی بناء پر امّہات المومنین یعنی ازواج نبی کریم ﷺ سے شادی منع کی گئی ہے۔ اسی طرح بیٹے کی بیوی یا اُسکی ساس سے شادی منع کی گئی ہے۔ اسی طرح دو بہنوں کی ایک شخص سے شادی منع ہے۔ یہ ممانعت ان رشتوں کے ادب واحترام کی وجہ سے ہے۔

2۔ رشتوں کی حرمت کی دوسری بڑی وجہ رضاعت کو قرار دیا ہے فرمایا ''تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں'' (سورۃ النساء:23)۔ اس بناء پر اگر کسی غیر عورت سے بھی دودھ پیا ہو تو وہ رضاعی ماں اور اسکی اولاد رضاعی بھائی بہن بن جاتے ہیں۔ انکے باہمی رشتے بھی منع ہیں، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حرمت کی اصل وجہ رضاعت ہے جس کے نتیجہ میں خون میں ایسے اثرات پیدا ہوتے ہیں جو خون کو متاثر کرتے ہیں اور وہ آئندہ نسل کیلئے مضر ہیں لیکن جہاں باہمی رضاعت نہیں، جیسے کزن کے سلسلہ میں یہ تعلق نہیں ہے لہٰذا اس امر کی ممانعت نہیں کی گئی۔ اس سے یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ موجودہ طبّی شواہد قرآن مجید کے بیان کردہ اصل کی تائید کرتے ہیں۔

3۔ تیسرا امر جس کا قرآن مجید میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے وہ رشتوں کی حرمت کے متعلق بعض خود ساختہ اور جذباتی فیصلے ہیں اسلام نے ایسے امور کی نہایت سختی

سے تردید کی ہے۔ مثلاً ظہار کی رسم یعنی اپنی بیوی کو ماں قرار دے کر اُس سے علیحدگی اختیار کرنا یا بعض غیر صلبی بچوں کو بیٹوں کا مقام دینا یعنی متبنّٰی کو اصل بیٹے کا مقام دینا۔ پھر ایسے متبنّٰی کی مطلقہ سے شادی نہ کرنا وغیرہ ایسے امور کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

’’خدا تعالیٰ نے تمہاری ان بیویوں کو جنہیں تم ماں کہہ کر اپنے اوپر حرام کر لیتے ہو، انہیں تمہاری مائیں نہیں بنایا۔ نہ ہی تمہارے منہ بولوں کو تمہارے بیٹے بنایا ہے یہ محض تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ حق بات بیان کرتا ہے‘‘ (سورۃ الاحزاب:5)

چنانچہ متبنّٰی کی رسم کو ہمیشہ کیلئے ختم کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت زیدؓ کو زید بن محمد کہنے سے ممانعت فرمائی، پھر انکی بیوی حضرت زینبؓ کی حضرت زیدؓ سے طلاق کے بعد خود رسول کریم ﷺ سے شادی کیلئے ارشاد فرمایا یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حضرت زینبؓ خود رسولِ کریم ﷺ کی کزن تھیں۔ اسطرح کزن کی باہمی شادی کے متعلق خود حضور ﷺ کا اپنا اسوۂ حسنہ بھی ہم سب کیلئے قابلِ عمل ہے۔ کزن کی باہمی شادی کے متعلق خدا تعالیٰ نے خاص طور پر اجازت دی ہے، فرمایا:

’’(تمہارے لئے وہ بیویاں حلال ہیں) جو تمہارے چچا کی بیٹیاں، اور تمہاری پھوپھی کی بیٹیاں، اور تمہارے ماموں کی بیٹیاں، اور تمہاری خالاؤں کی بیٹیاں‘‘ (سورۃ الاحزاب:51)۔ اس آیتِ کریمہ میں خدا تعالیٰ نے خصوصی طور پر کزنز سے قائم کئے جانے والے رشتوں کی صراحت فرما دی ہے پھر خود رسولِ کریم ﷺ کا حضرت زینبؓ کو جو آپ کی کزن تھیں، اپنے عقد میں لینا عین خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق تھا۔ خدا تعالیٰ کے واضح ارشاد کے بعد اور رسولِ کریم ﷺ کے اپنے تعامل سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ بعض غلط رجحانات کی بیخ کنی کرنا اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی سعی کرنا آج وقت کی اہم ضرورت ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ بچوں کو اس کے متعلق آگاہ کریں اور جہاں مناسب کزنز کے رشتے موجود ہوں وہاں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اجازت سے فائدہ اُٹھائیں اور بیجا بندشوں کو راستے کی روک نہ بنالیں۔ غیروں میں رشتہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے لیکن کزنز سے شادی صرف ماحول کے زیرِ اثر نہ کرنا، ایمانی کمزوری کی دلیل ہے۔ ہمیں اپنی نسل کو معاشرہ کے نقصان دہ اثرات سے بچانے کیلئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تجدید و احیائے دین کیلئے مبعوث فرمایا ہے۔ آپ نے زیرِ بحث یعنی کزنز کی شادی کے متعلق بھی عملی نمونہ قائم فرمایا ہے۔ چنانچہ حضور کی خود اپنی پہلی شادی آپ کی ماموں زاد محترمہ حرمت بی بی سے ہوئی تھی۔ اسی طرح سیدنا مصلح موعود ؓ کی ایک شادی آپ کی ماموں زاد حضرت مریم صدیقہ صاحبہ سے ہوئی تھی۔ اسکے بعد خاندان مسیح موعود میں کثرت سے ایسی شادیاں ہوئیں اور ہو رہی ہیں اور اسکے نتیجے میں حضور کا الہام تَرٰی نَسْلًا بَعِیْدًا ’’کہ تیری نسل دور دور تک پھیل جائے گی‘‘ پوری شان سے پورا ہو رہا ہے۔

’’کہ آپ آرہے ہیں‘‘

سیما پراچہ

حضور انور، حضور اقدس، مسیحِ خامس کہ آپ آرہے ہیں ☆ ہماری روح اور ہمارے دل اپنی گہرائیوں سے کھنچے آرہے ہیں

کہ پرواہ نہیں فاصلوں کی اور سمیٹی ہے ہر دنیا داری ☆ لئے دید کی آرزو نظر و دل میں ملاقاتِ حضرت چلے آرہے ہیں

فضاؤں میں پھیلی ہیں آہٹیں خوشبوؤں میں بھری الفتوں میں گھلی ☆ انہی چاہتوں اور انہی عزتوں کو جلو میں لئے سب ہی بھر پا رہے ہیں

دُنیا کیا کہتی ہے، مخالف ہے جگ آپ کی عظمتوں کا ☆ کہ روح اور دل نے جو وعدہ کیا ہے، کئے جا رہے ہیں

کہا ہے کسی نے محبت اور عزت ہو دل اور رُوح میں ☆ تو اُڑ کے پہنچ جائیں اُڑتے ہوئے ہی چلے آرہے ہیں

کوئی فکر دل میں نہ ہے کوئی شکوہ زباں پہ ☆ کہ لمحوں کی دید اور ملنے کی چاہ میں چلے آرہے ہیں

خبر ہے سب ہی کو منٹ ہے صرف خادموں کیلئے اس ملاقات کو ☆ پھر بھی ہر گوشے گوشے سے خدامِ احمدیت چلے آرہے ہیں

ایک داعی الی اللہ کی یاد میں

ڈاکٹر شہاب احمد، کینیڈا

جماعت احمدیہ عالمگیر کے اکثر افراد تبلیغ کے جنونی اور تقریباً چالیس سال کے لمبے عرصہ تک احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی مختلف حیثیتوں سے خدمت کرنے والے خادم برادرم اسماعیل منیر صاحب کے نام سے واقف ہونگے۔ انکی بیش بہا خدمات کی وجہ سے میری انکے دیدار کی دیرینہ خواہش تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے میری اس دیرینہ خواہش ۲۰۰۰ء میں پوری کردی۔ جب مغربی کینیڈا کے خدام الاحمدیہ کا اجتماع اڈمنٹن میں منعقد ہوا۔ خدام نے اس اجتماع میں برادرم اسماعیل منیر صاحب کو بھی مدعو کیا تھا۔

جماعتی انتظام کے مطابق ان کے قیام کا انتظام ایک اور احمدی کے گھر میں تھا۔ لیکن منتظمین سے خاص درخواست کر کے میں نے انہیں اپنا مہمان بنالیا۔ ایڈمنٹن کی احمدیہ مسجد میں خاکسار کو پہلی دفعہ ان کے دیدار اور ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ جب ان کو میں اپنے گھر لے کر آرہا تھا تو جماعت کے مبلغ مکرم طارق اسلام صاحب نے فرمایا کہ اس تقریب کے سب سے معزز مہمان کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ ان کا فرمانا بجا تھا۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر ایک بلا استحقاق احسان تھا۔ میری بہو فوزیہ نے گھر کے سب سے اچھے کمرہ کو، جسے وہ ہوٹل کی طرح سجا کر رکھتی، میں ان کے قیام کا انتظام کیا تھا۔ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس معزز مہمان نے فرمایا کہ وہ رات کو Living Room کے فرش پر قیام کریں گے۔ ٹھہرایا تو میں نے انہیں انتظام کے مطابق لیکن یہ مصرعہ

لیٹ لیتے ہیں جہاں چھاؤں گھنی پاتے ہیں۔

انکی خاکسار طبیعت کی پوری عکاسی کرتا ہے۔ ہمارے مبلغین نے فرش کیا، اکثر کھلے میدان میں رات بسر کی ہے۔ سب سے بڑھ کر ہمارے پیارے امام حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے فرش پر بیٹھ کر ہی وہ علمی اور ادبی کام سرانجام دیے ہیں جو قیامت تک یاد کیے جائینگے۔

دوسرے دن صبح کے ناشتے کے وقت انہوں نے میری ایک بیٹی مبشرہ جو ان دنوں Bay Area امریکہ میں رہتی تھی جس سے وہ پہلے سے واقف تھے، کو فون کیا اور اس امر پر خوشی کا اظہار کیا کہ وہ اس کے والد کے مہمان ہیں۔ وہ کافی دیر تک مبشرہ اور اس کے شوہر ولی سے انتہائی پیار سے گفتگو کرتے رہے۔ اسی دوران مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ میرے ہم عمر بھی ہیں۔ اس وجہ سے بھی ہم لوگ ایک دوسرے کے بہت قریب ہو گئے۔

خدام کے اس اجتماع کے ہر اجلاس میں میں نے دیکھا کہ انکی خدمت کا جذبہ ان کی اپنی ذات تک محدود نہیں بلکہ وہ ہر خادم کو اس نیک کام میں آگے بڑھانا نہیں بلکہ جوتنا چاہتے ہیں۔ انکی خدمت کا یہ جوش قابل رشک تھا۔ اس کے بعد قریباً ہر سال ان سے Bey Area,USA اور Houston میں ملاقات ہو جاتی۔ میں نے ہر موقعہ پر انہیں تبلیغ کے جنون میں مبتلا پایا۔ یہ جماعتیں اکثر تبلیغی بک سٹال لگاتی ہیں۔ کوئی ایسا موقعہ نہ تھا جہاں وہ موجود اور تبلیغ میں پورے طور پر سرگرم نہ ہوں۔ وہ جوانوں سے بڑھ کر تبلیغ کرتے تھے۔ بالفاظ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ ''وہ جوانوں کے جوان تھے''۔ ضمناً عرض ہے کہ وہ اس وقت ملازمت سے فارغ ہو چکے تھے۔ لیکن جسے تبلیغ کی لو لگ جائے وہ اس کام سے کب رکتا ہے۔ ایسے لوگ صرف کاغذ پر پینشن یافتہ ہوتے ہیں۔ Bay Area کی بات ہے کو وہاں کی جماعت نے وہاں کی ایک یونیورسٹی میں نشست کا انتظام کیا۔ رات کا وقت تھا احباب گاڑیوں سے اترے۔ سڑک کے دونوں طرف کئی کئی عمارتیں تھیں لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ کس عمارت میں انتظام ہے۔ لوگ قیاس آرائیاں ہی کر رہے تھے۔ اسماعیل منیر صاحب کسی سے پوچھے بغیر ایک عمارت کی طرف بڑھے اور اس میں داخل ہوگئے۔ ہم سب ان کے پیچھے تھے۔ عمارت میں داخل ہونے کے بعد معلوم کہ ہمیں اسی عمارت کی تلاش تھی۔ انکے قدم بڑھانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انکی صحیح رہنمائی کرے گا۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہیں القاء ہوا ہو۔ بہر حال اس چھوٹے سے واقعہ نے ہمیں حیرت میں ڈال دیا۔

نہ جانے کیوں انہیں ہم جیسے نالائق اور نکمے انسان سے انس ہو گیا تھا۔ Bay Area ہو یا ہیوسٹن، انہوں نے نہ صرف ہمیں اپنے گھر پر مدعو کیا بلکہ جہاں بھی وہ مدعو ہوتے ہمیں بھی ساتھ لے جاتے۔ جماعت احمدیہ امریکہ اور کینیڈا نے اس قیمتی وجود سے پورا فائدہ اٹھایا۔ جماعت احمدیہ امریکہ نے ان سے ملک کے اندر خدمات لینے کے علاوہ انہیں Bahama Island اور شاید دوسرے ممالک میں بھی بھیجا۔ جماعت انہیں صرف سفر خرچ دیتی تھی باقی سارے اخراجات وہ اپنی جیب سے ادا کرتے تھے۔ یا ان کے لائق بیٹے داؤد منیر اور ادریس منیر ادا کرتے تھے۔ جماعت کینیڈا

نے انہیں Quebec اور پھر Windsor بھیجا۔ ہر جگہ انہوں نے قابلِ قدر خدمات ادا کیں۔انہوں نے اپنی زندگی کی آخری خدمت Windsor میں ہی ادا کی۔اس کے بعد وہ اپنے نواسہ نوید کے پاس Peace Village جو احمدیوں کی ایک بستی ہے، چلے گئے۔ یہاں ان پر دل کا حملہ ہوا۔ان کے بیٹے ادریس منیر امریکہ سے آئے اوران کو ہیوسٹن لے گئے۔ میرا دل تو اس خیال سے کانپ رہا تھا کہ وہ اس حالت میں اتنا لمبا ہوائی سفر کس طرح کر سکیں گے۔لیکن اللہ تعالیٰ کے خاص تصرف کے تحت وہ بخیر وعافیت منزل مقصود پر پہنچ گئے۔لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔اور انکی اصل منزل مقصود کہیں اور تھی۔ ۲۲ ستمبر ۲۰۰۴ء کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ جہاں وہ حاضر ہو گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون

بلانے والا ہے سب سے پیارا

وفات کے وقت ان کی عمر ۷۶ سال تھی۔اس موقعہ پر ان کے لواحقین نے مومنانہ صبر کا نمونہ دکھلایا۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند تر کرتا چلا جائے۔اورانکی اولاد اپنے والد مرحوم کے نقش قدم پر چلے۔

خیال ہوتا ہے کہ اگر ایسا وجود اور زندہ رہتا تو مزید خدمت کرتا لیکن اللہ تعالیٰ ہی اپنے بھیدوں کا راز دان ہے۔شاید اللہ تعالیٰ کی نظر میں ان کے حقیقی انعام ملنے کا وقت آ چکا تھا۔ جو اس تنگ دنیا میں ممکن نہیں۔ایسے خادم کو جنت الفردوس میں ہی حقیقی انعام مل سکتا ہے۔جانے والے جا لیکن تیرا دل کش اور مسکراتا ہوا چہرہ جو پگڑی پہننے کی صورت میں مزید نکھر جاتا تھا ہمیں ہمیشہ یاد رہے گا۔میرا ان سے انس اور ان کی قدر تو ان کی خدمات،قربانیوں اورانکی روحانیت کی وجہ سے ہے۔

مرحوم پر اللہ تعالیٰ کا مزید فضل یہ ہے کہ ان کی ساری اولاد احمدیت کی شیدائی ہے۔ان کے دو بیٹوں داؤد منیر اور ادریس منیر سے میں کئی دفعہ امریکہ اور انگلستان مل چکا ہوں۔دونوں احمدیت کے شیدائی ،خدمت سلسلہ کے لیے ہر وقت مستعد اور ساتھ ہی انتہائی خاکسار مزاج کے مالک ہیں۔خدا تعالیٰ ان دونوں کے کاموں میں غیر معمولی برکت ڈالے۔

مرحوم کے چھوٹے بیٹے الیاس منیر واقف زندگی ہیں اور پاکستان میں برسوں جماعت کی مختلف خدمات کی ہیں۔ ۱۹۸۴ء کی بات ہے جب وہ ساہیوال میں جماعت کے مربی تھے۔ یہاں ان پر خون کا جھوٹا الزام لگایا گیا۔اور چند جج صاحبان نے انہیں موت کا فیصلہ سنایا۔ان تاریک ایام میں جب ساری جماعت کا دل ہر وقت اس خوف سے دھڑک رہا تھا کہ کب یہ معصوم پھانسی کے تختہ پر چڑھایا جائے گا۔قادر مطلق خدا نے اپنے خلیفہ حضرت مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ کو الیاس منیر کی رہائی کی بشارت دی۔ پھر یوں ہوا کہ پنجاب ہائی کورٹ نے اس فیصلہ کو ملتوی کر دیا۔ پھر حکومت بدلی تو پیپلز پارٹی آف پاکستان نے سارے موت کے قیدیوں کی سزا کو عمر قید میں بدل دیا۔اگر چہ برسوں سے پاکستان میں انصاف کی جگہ بے انصافی نے لے لی ہے۔لیکن پھر بھی وہ ملک خدا ترسوں سے بالکل خالی نہیں۔ ۱۹۹۴ء میں جج ارشاد حسین اوران کے ساتھ جو حقیقی منصف تھے نے الیاس منیر کو باعزت رہا کر دیا۔

جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

چند سالوں سے الیاس منیر عیسائیت کے گڑھ جرمنی میں تبلیغ اسلام کا مقدس اور بابرکت فریضہ ادا کر رہے ہیں لیکن کہاں ہیں پاکستان کے آمر اور اس وقت کے فرعون جنہوں نے احمدیت کے کینسر کو مٹانے کا عزم کیا تھا اور عزیزم الیاس منیر کی رحم کی درخواست کو بے رحمی سے مسترد کر دیا تھا۔فرعون اوّل کی لاش تو آج بھی محفوظ ہے۔لیکن اس فرعون کی لاش کو قہر الٰہی نے یوں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کہ اس کی لاش کا بھی پتہ نہیں۔

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

افسوس کہ اس اسیر راہ مولیٰ سے میں صرف ایک دفعہ چند منٹوں کے لیے لندن کے جلسہ کی گہما گہمی میں مل سکا ہوں۔عزیزم نے ''داستان اسیری'' کے عنوان سے اپنی اسیری کی لمبی داستان لکھی ہے۔کئی سال قبل مجھے اس مسودہ کے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔اللہ ہی جانتا ہے کہ اب تک طبع ہوا ہے کہ نہیں۔ جہاں تک ہمیں علم ہے عزیزم الیاس کی زندگی بچانے کے لیے ان کے بڑے بھائیوں داؤد منیر اور الیاس منیر نے ایک خطیر رقم پاکستان بھیج دی تھی۔کہ کسی طرح ان کے بھائی کی جان بچ جائے۔لیکن قربان جاؤں اسماعیل منیر کے اصول پر کہ جس کے لخت جگر کے سر پر موت کی تلوار لٹک رہی ہو،کو بچانے کے لیے یہ طریقہ اور ذریعہ استعمال نہ ہونے دیا۔ہاں ان لوگوں کی دعا ضرور قبول ہوئی۔شاید کسی کے ذہن میں یہ سوال اٹھے کہ یاد اسماعیل میں میں نے ان کے تین بیٹوں کا ذکر کر کے کاغذ کیوں سیاہ کیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بچوں کا کردار بنانے یا بگاڑنے میں والدین کا کردار انتہائی اہم ہے۔جو والدین اپنے بچوں کو ان کے آغاز زندگی سے نکھارتے ہیں تراشتے ہیں اور سنوارتے ہیں تو یہی بچے بڑے ہو کر خادم دین بنتے ہیں۔اور قوم کی پیشانی کو مزین کرتے ہیں۔ برادرم اسماعیل منیر اوران کی اہلیہ مکرمہ مبارکہ نسرین نے یہ فرض ادا کیا جس کا شیریں پھل انہیں خادم دین اولاد کی صورت میں ملا۔

الغرض رحمان خدا نے خدمت دین کی یہ نعمت نہ صرف برادرم اسماعیل بلکہ ان کی اولاد کو بھی عطا کی۔ **ذلک فضل اللہ یُؤتیہ مَن یشاء**

اے ایک اسماعیل کو بلانے والے پیارے خدا ہمیں ایک اسماعیل کی جگہ کثرت سے اور اسماعیل عطا کر کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کا مقصد جلد پورا ہو۔آمین۔ **(ٹائپنگ: منشاد احمد نیّر)**

نظم

عطاءالمجیب راشد

رضا تیری ہے جو مولیٰ بتا دے
مجھے اُس راہ پر خود ہی چلا دے

کمر خم ہے مری بارِ گنہ سے
مرے اِس بوجھ کو تو ہی ہٹا دے

جو بَن پڑتا ہے مجھ سے کر رہا ہوں
مرے تھوڑے کو تُو زیادہ بنا دے

ہوں کب سے منتظر تیری ندا کا
نویدِ مغفرت مولیٰ سنا دے

وہ جن سے پوچھ کچھ ہوگی نہ کوئی
مقدر میرا بھی ایسا بنا دے

ترے لائق نہیں دامن میں کچھ بھی
کوئی قابل گہر ، اپنی عطا دے

تھکا ہارا مسافر ہے یہ راشد
درِ جنت اسے خود ہی دکھا دے

کمپیوٹر کی کہانی

(آصف علی پرویز)

دوست: آپ نے فزکس میں .MSc کی تھی اور پھر تعلیم الاسلام کالج میں بھی فزکس ہی پڑھاتے تھے تو پھر آپ کمپیوٹر کے میدان میں کیسے آ گئے؟

آصف: میں جب 1977ء میں انگلستان آیا تو میرا ارادہ فزکس میں ہی PhD کرنے کا تھا مگر اس زمانے میں کمپیوٹر ایک نسبتاً نیا میدان تھا اس لئے میں نے لندن کے مشہور Kings College سے کمپیوٹر سائنس میں اعلیٰ تعلیم کیلئے داخلہ لے لیا اور یوں میں نے اپنی عمرِ عزیز کے تقریباً 35 سال اس میدان کی شہسواری میں گزارے ہیں اور مجھے بعض امور میں گہری تحقیق کا موقعہ ملا ہے۔ میں نے کئی اہم Computer System ڈیزائن کئے ہیں۔

دوست: آپ کی شہسواری کا پتہ تو اس وقت چلے گا جب آپ میرے مشکل سوالات کے جواب دیں گے۔ فی الحال مجھے یہ بتائیں کہ سادہ زبان میں کمپیوٹر کیا ہے؟

آصف: کمپیوٹر کو سمجھنے کا ایک اچھا طریق یہ ہے کہ میں اسے آپ سے تشبیہ دوں۔

دوست: انسان تو اشرف المخلوقات ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے ''احسن تقویم'' بنایا ہے۔ بھلا کمپیوٹر کا مجھ سے کیا مقابلہ!

آصف: آپ نے بجا فرمایا ہے لیکن پھر بھی کچھ مشابہتیں ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے آپ کو دماغ عطا فرمایا ہے۔ کمپیوٹر میں بھی ایک پرزہ لگا ہوتا ہے جسے ہم Central Processing Unit کہتے ہیں۔ اسے آپ کمپیوٹر کا دماغ کہہ سکتے ہیں۔

دوست: میں تو دیکھ اور سن سکتا ہوں۔ اب بتائیے کہ کمپیوٹر یہ کام کیسے کر سکتا ہے؟

آصف: آجکل تو تقریباً ہر کمپیوٹر میں ایک کیمرہ لگا ہوتا ہے۔ اگر آپ اپنے کمپیوٹر پر ایک پروگرام جس کا نام Skype ہے ڈال لیں اور دوسرے دوست بھی ڈال لیں تو خواہ وہ دوست امریکہ یا کینیڈا میں ہوں تو آپ ان سے بات بھی کر سکتے ہیں اور ساتھ ہی تصویر بھی دیکھ سکتے ہیں اور یہ ہے بھی مفت! اور ہاں یہ بتائیے آپ آج یہاں تک کیسے پہنچے؟ راستہ تو کافی پیچیدہ تھا۔

دوست: میری کار میں ایک پرزہ لگا ہوا ہے جسے ہم یہاں Tom Tom کہتے ہیں۔ اس میں میں نے پتہ ڈالا اور اس میں آنے والی آواز نے میری اس طرح رہنمائی کی گویا آپ میرے ساتھ بیٹھے مجھے راستہ بتا رہے ہوں۔

آصف: تو یہ Tom Tom بھی ایک طرح کا کمپیوٹر ہی ہے اور آپ نے دیکھ لیا کہ وہ کس عمدگی سے بولتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بالعموم ہم Keyboard سے کمپیوٹر پر لکھتے ہیں ہیں تاہم میں اپنے مضامین Galaxy Notes 10.1 کمپیوٹر پر ایک قلم (pen) سے اس طرح لکھتا ہوں جیسے قلم سے کاغذ پر لکھتے ہیں۔

دوست: یہ بتائیں کہ کمپیوٹر کا حافظہ کتنا ہے؟

آصف: کمپیوٹر کا حافظہ غیر معمولی ہے۔ اس میں سینکڑوں کتابیں ڈالی جا سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ زائد حافظہ والے پرزے بھی لگائے جا سکتے ہیں اسے Hard Disc کہتے ہیں۔ ان کے لگانے سے تو لائبریریوں کی لائبریریاں کمپیوٹر کے دماغ میں ڈالی جا سکتی ہیں۔

دوست: تو کیا میں یہ سمجھوں کہ Internet میں بے شمار کمپیوٹروں کو باہم جوڑ دیا جاتا ہے، اس لئے یوں لگتا ہے کہ دنیا بھر کی لائبریریوں کی کتابیں کمپیوٹر میں ڈال دی گئی ہیں۔

آصف: آپ نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔ ادھر آپ نے سوال کیا اور ادھر چند سیکنڈوں میں کمپیوٹر متعلقہ جواب دے دیتا ہے۔

دوست: میں بعض اوقات بڑا حیران ہوتا ہوں کہ کمپیوٹر سے آپ ہر قسم کی زبان میں بات کر سکتے ہیں۔ جیسے چینی، فرانسیسی، انگریزی، عربی، اردو وغیرہ وغیرہ۔ آپ بڑے کمپیوٹر کے ماہر بنے پھرتے ہیں۔ یہ تو بتائیں کہ کمپیوٹر کی مادری زبان کیا ہے؟ مجھے ذرا ''اندر'' کی خبر بتائیں!

آصف: اچھا تو دل تھام کر میری بات سنیں! حقیقت یہ ہے کہ کمپیوٹر کو محض 'صفر' اور 'ایک' کے سوا کچھ بھی نہیں آتا۔

دوست: دیکھئے مجھ سے مذاق نہ کریں۔

آصف: میں ہرگز مذاق نہیں کر رہا۔ یہ امر واقعہ ہے۔ کمپیوٹر محض ایک بے جان مردہ مشین ہے۔ اس کے اندر یا تو الیکٹران کا ذرہ چل رہا ہے یعنی بجلی ہے۔ یہ 'ایک' کی حالت ہے اور یا پھر الیکٹران کھڑا ہے یعنی بجلی بند ہے اور یہ 'صفر' کی حالت ہے۔

دوست: میں تو جب بھی مثلاً A ٹائپ کرتا ہوں تو سکرین پر مجھے A ہی نظر آتا ہے۔ میں نے کبھی بھی یہ صفر اور ایک نہیں دیکھا۔

آصف: آپ بجا کہتے ہیں۔ جب آپ A ٹائپ کرتے ہیں تو کمپیوٹر کا Keyboard اسے 01000001 میں بدل دیتا ہے۔ اس طرح جب آپ B ٹائپ کرتے ہیں تو یہ اسے 01000010 میں بدل دیتا ہے۔ اور اسی طرح باقی حروف تہجی کو۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کمپیوٹر ہمیشہ دائیں سے بائیں کو پڑھتا ہے جو عین فطرت کے مطابق ہے۔

دوست: آپ کی اس بات سے تو مجھے وہ شعر یاد آ رہا ہے کہ:

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا — جو چیرا تو یک قطرۂ خوں نہ نکلا

کمپیوٹر بڑے سے بڑا کام کر لیتا ہے۔ آپ نے بتایا تھا کہ کمپیوٹر جہاز بھی اُڑا لیتا ہے تو پھر یہ بتائیں کہ کمپیوٹر کی ذہانت کا کیا راز ہے؟ یہ سوال تو آپ کے لئے بھی بڑا مشکل ہوگا!

آصف: بہتر ہے کہ میں ایک مثال سے اس کا جواب دوں۔ آپ جب مسجد فضل لندن میں نماز پڑھنے کیلئے جاتے ہیں تو آپ نے دروازے میں ایک خادم کو ڈیوٹی دیتے ہوئے دیکھا ہوگا۔

دوست: یقیناً۔ بلکہ میں نے خود بھی کئی دفعہ یہ ڈیوٹی بڑی خوشی سے دی ہے۔

آصف: بہت خوب! ذرا تصور کریں کہ آپ ڈیوٹی پر ہیں اور میں اور میری بیگم نماز پڑھنے کیلئے آ رہے ہیں تو آپ کیا کریں گے؟

دوست: جب آپ مسجد فضل میں داخل ہونا چاہیں گے تو میں دروازہ کھول دوں گا؟

آصف: اور میری بیگم کیلئے؟

دوست: میں ان کے لئے دروازہ بند کر دوں گا اور انہیں کہوں گا کہ مسجد فضل صرف مردوں کیلئے ہے۔ عورتیں 'نصرت ہال' میں جا کر نماز پڑھیں۔

آصف: تو گویا دروازے ہی میں یہ قوت فیصلہ ہے کہ مردوں کیلئے کھل جائے لیکن عورتوں کیلئے بند ہو جائے۔

دوست: جی نہیں! آپ بھول گئے دروازہ تو میرے ہاتھ میں ہے اور یہ فیصلہ تو میں ہی کر رہا ہوں۔ دروازہ تو محض ایک ''لکڑی کا پھٹا'' ہے۔

آصف: آپ نے بجا فرمایا ہے۔ اچھا یہ بتائیں کہ اگر صدر لجنہ اماء اللہ تشریف لائیں تو

کیا آپ ان کیلئے دروازہ کھول دیں گے؟

دوست: دیکھئے جناب قانون سب کیلئے برابر ہے۔ میں تو پوری سچائی اور دیانت داری سے اپنی ڈیوٹی دوں گا۔ اس لئے میں انہیں بھی اندر جانے نہیں دوں گا۔ خیر دل لگی کیلئے آپ نے خوب کہانی گھڑی ہے لیکن اس کا کمپیوٹر کی ذہانت سے کیا تعلق! اب آپ مان بھی لیں کہ آپ کو میرے سوال کا جواب نہیں آتا۔

آصف: اس مثال میں ہی کمپیوٹر کی ذہانت کا سارا راز پوشیدہ ہے۔

دوست: وہ کیسے! مجھے تو آپ کی بات بالکل سمجھ نہیں آئی۔ کیا آپ مجھے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کمپیوٹر میں بھی بہت سے دروازے لگے ہوئے ہیں اور کوئی 'ہستی' ان دروازوں کو بڑی 'سچائی' کے ساتھ کھول اور بند کر رہی ہے۔

آصف: یقیناً بالکل ایسا ہی ہے۔

دوست: یہ بھی آپ کا صفر اور ایک والا قصہ ہی نظر آتا ہے۔ ذرا کھول کر بات کیجئے!

آصف: اب ذرا غور سے بات سنیں۔ کمپیوٹر کے اندر بھی لاکھوں ''برقی دروازے'' (Electronic Gates) لگے ہوئے ہیں جو کمپیوٹر سافٹ ویئر کے حکم سے کھل اور بند ہو رہے ہیں تا کہ الیکٹران کا ذرہ یا گزر سکے یا رُک جائے۔ بالفاظ دیگر ''ایک'' گزر سکے یا نہ گزرے۔ اور کمپیوٹر کے یہ دروازے بڑی 'سچائی' کے ساتھ اس فرض کو ادا کر رہیں۔ اور ان لاکھوں دروازوں کا میرے جیسے ذہین software programmer کے حکم سے کھلنا اور بند ہونا ہی کمپیوٹر میں ذہانت پیدا کرتا ہے۔ گویا اصل ذہانت کمپیوٹر کی نہیں بلکہ programmer کی ہے۔

دوست: یہ کمال کی بات ہے! اچھا تو پھر یہ بتائیں کہ کمپیوٹر کیونکر برق رفتاری کے ساتھ بڑے پیچیدہ مسائل حل کر دیتا ہے؟

آصف: آپ نے اپنے سوال میں ہی اپنی بات کا جواب دے دیا ہے۔

دوست: وہ کیسے؟

آصف: کمپیوٹر میں ایک انتہائی تیز گھڑیال (Clock) لگا ہوا ہے۔ جتنی رفتار اس کلاک کی ہوگی اتنی تیزی سے وہ دروازے کھولے گا۔

دوست: میں پچھلے دنوں ایک دوکان پر کمپیوٹر خریدنے کیلئے معلومات لے رہا تھا تو دوکاندار کہہ رہا تھا کہ یہ کمپیوٹر لیں اس کا (clock) کلاک 6 میگا ہرٹز (6 Mega Hertz) ہے تو میں نے اسے کہا کہ بھائی گھڑی خریدنے نہیں آیا۔ میں تو کمپیوٹر خریدنا چاہتا ہوں! اب آپ مجھے بتائیں وہ دراصل کیا کہنا چاہتا تھا؟
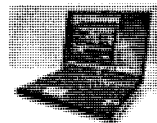
آصف: وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اس کمپیوٹر کے دروازے ایک سیکنڈ میں 60 لاکھ دفعہ کھل اور بند ہو سکتے ہیں۔ گویا یہ ایک سیکنڈ میں 60 لاکھ فیصلے کر سکتا ہے۔ یہ تو سمجھ ہی گئے ہوں گے جتنی رفتار زیادہ تیز ہوگی اتنا ہی وہ ذہین کمپیوٹر ہوگا! اور اتنی ہی جلد وہ سوالوں کو حل کر سکے گا۔

دوست: اچھا یہ بتائیں یہ انٹرنیٹ (Internet) کیا ہے؟

آصف: اس میں دنیا کے مختلف ممالک میں موجود بڑے بڑے کمپیوٹروں کو باہم جوڑ دیا جاتا ہے اور سٹیلائٹ (Setellite) کی مدد سے چند سیکنڈوں سے بھی کم عرصہ میں کمپیوٹر صحیفوں کے صحیفے پڑھ کر صحیح معلومات آپ تک پہنچا دیتا ہے۔

دوست: گویا کمپیوٹر قرآن مجید کی اس پیشگوئی کو پورا کر رہے ہیں کہ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ جب صحیفے نشر کئے جائیں گے۔ (التکویر:11)

آصف: آپ نے صحیح فرمایا حقیقت یہ ہے کہ ہم اگر ان تخلیقات کا گہری نظر سے مطالعہ کریں تو بالآخر یہ ہمیں خدا کی طرف ہی لے کر جاتی ہیں۔

دوست: یہ بتائیے کہ کیا کمپیوٹر انسانوں سے بڑھ جائیگا اور انسانوں کو کنٹرول کر سکے گا؟

آصف: میں نہیں سمجھتا کہ ایسا کبھی ہوگا گو بعض سائنسی فلموں میں ایسا دکھایا جاتا ہے۔ یاد رکھئے کہ کمپیوٹر محض ایک مشین ہے جو انسانیت کی خدمت کیلئے ہے اور اسے ایسا ہی رہنا چاہئے۔

دوست: بہت بہت شکریہ۔ آپ نے میری اور المنار کے قارئین کی معلومات میں خوب اضافہ کیا۔ جزاک اللہ احسن الجزاء۔

سامان کو با دیدۂ تر باندھ رہے ہیں
بھیگے ہوئے رومال میں گھر باندھ رہے ہیں

خط ، یادیں ، تصاویر ، کتابیں و بیاضیں
دل کھول کے سامانِ سفر باندھ رہے ہیں

آنسو میرے رخساروں کی سیڑھی سے اتر کر
دامن میں دعاؤں کا اثر باندھ رہے ہیں

تنقیص کے کچھ ریشمی دھاگوں کو ملا کر
قرطاس کی جھولی میں ہنر باندھ رہے ہیں

پرواز کے جذبے بھی کبھی قید ہوئے ہیں
صیاد صفت کیوں مرے پر باندھ رہے ہیں

سوکھا نہ ابھی پچھلی مسافت کا پسینہ
پھر اگلی مسافت کو کمر باندھ رہے ہیں

کب ختم ہو قدسی یہ سفر در بدری کا
یہ سوچ کے پاؤں میں بھنور باندھ رہے ہیں

عبدالکریم قدسی سری لنکا